حصہ اول

علمائے ہند کی
شاندار ماضی

کتبہ شمیم

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح

از

محمد میاں

معلومات کا خزانہ
ایضاح الادلہ
لاجواب دلائل
مؤلفہ سیدنا شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ
علمی موتیوں کا بے نظیر خزانہ اور الہامی فوائد کا قیمتی ذخیرہ ہے۔ حضرت مؤلفؒ کا مشہور علم و فضل مضامین کے حسن و خوبی اور استناد کے لئے بہترین شاہد ہے۔ یوں تو علم الہیہ کے سیکڑوں جواہر ریزے کتاب کے اوراق میں جلوہ گر ہیں مگر خصوصیت کے ساتھ مندرجہ ذیل مسائل پر سیر حاصل اور لاجواب بحث کی گئی ہے (۱) فقہائے کرام کی فضیلت۔ حضرات محدثینؒ (۲) فقہاء کرام کا بدرجہ اولی محدث ہونا (۳) رفع یدین (۴) آمین بالجہر (۵) زیر ناف ہاتھ باندھنا۔ (۶) قرأت فاتحہ خلف الامام (۷) وجوب جمعہ مع شرائط (۸) تقلید شخصی کی اہمیت (۹) تقلید کی مختلف قسمیں (۱۰) حقیقت ایمان (۱۱) ایمان کی زیادتی اور کمی (۱۲) امام صاحب کے متعلق الزام ارجا کی تردید (۱۳) قضاء قاضی کے ظاہراً و باطناً نفاذ کی شرعی اور عقلی بحث (۱۴) حکومت اسلامیہ کی حقیقت (۱۵) خلافت اور حکومت الہی (۱۶) اسباب ملک و حقیقت ملک (۱۷) قبضہ شرعیہ (۱۸) بیع فاسد کی تحقیق اور فاسد و باطل کا فرق (۱۹) نکاح محارم (۲۰) قلتین اور دہ در دہ کا مسئلہ (۲۱) ماء کثیر کے متعلق ائمہ ثلاثہ کے مذاہب کی بنظر تفسیر وغیرہ وغیرہ
قیمت قسم اول عہ/ قسم دوم عا۔ صفحات ۱۶ ۱۲ سائز ۲۰×۲۶/۸
ملنے کا پتہ کتب خانہ فخریہ امروہیہ گیٹ مراد آباد

نذر

ایک ناکارہ و سرگرداں نے دیدہ ریزی اور دل سوزی سے ہزارہا اوراق کو پلٹ کر ایک مجموعہ مرتب کیا ہے۔ پورے عجز و انکسار اور اعتراف تقصیر کے ساتھ اس حقیر ہدیہ کو اُن اکابر ملت کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔ جن کی سبق آموز۔ اور مقدس سوانح حیات کے چند ذرات سے یہ مجموعہ مرکب ہے۔ اور التجا ہے

آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

مقصد

ہم نے اپنے مقدس اکابر کو زہد۔ تقشف۔ چلہ کشی۔ شب بیداری۔ سبحہ خوانی۔ سجدہ ریزی کے چشمہ سے دیکھا۔ تو بہت جلیل القدر عظیم الشان نظر آئے۔ آیئے اب مکہ کی مظلومیت طائف کی مقہوریت۔ ہجرت وطن۔ ترک اقارب۔ غار ثور کی روپوشی۔ بدر کی نصرت احد کی شہادت۔ فتح مکہ کی مسرت۔ حنین و ثقیف کی سطوت تبوک کی شوکت وغیرہ وغیرہ سنن جہاد و سیاست کے چلمن سے نظر ڈالیں کیسے نظر آتے ہیں۔

ہمارا حال ماضی کا ثمرہ اور مستقبل کا سنگ بنیاد ہے ــــ آیئے
تاریخ ماضی سے اپنے مستقبل کے لئے کچھ سبق حاصل کریں

الداعی۔ محمد میاں عفی عنہ۔ شب ۱۵ شوال ۵۸ھ

مختصر فہرست مضامین
علماء ہند کی شاندار ماضی

ہندوستان کی چارسو سالہ سیاست۔ علماء ملت کی چار صد سالہ سیاسی علمی اور تبلیغی خدمات۔ سیاسی نظریات۔ جذبات ایثار اور قربانیاں جو آجتک پردہ خفا میں تھیں۔ اس کتاب نے مستند تاریخی حوالجات کے ذریعہ سے ان کا بے نقاب مرقع عزیزان ملت اور نونہالان وطن کے سامنے پیش کیا ہے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ مضامین کی مختصر فہرست درج ذیل ہے۔ نیز اخیر میں ان کتابوں کی فہرست درج ہے جن سے امداد لی گئی ہے۔ قیمت قسم اول ۸ ہے۔ قسم دوم ۷

حصۂ چہارم

۱۸۵۷ء کی خونیں داستان

کل صفحات ۲۸۲

کتب خانہ فخریہ امروہیہ گیٹ مرادآباد یوپی

کتاب ہذا کے مآخذ

شرعی مباحث قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

نام کتاب	نام مصنف		
کتاب الخراج	امام ابو یوسف حنفی رحمۃ اللہ علیہ	البدور البازغہ	امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ
کتاب الخراج	علامہ یحییٰ ابن آدم رحمۃ اللہ علیہ	الخیر الکثیر	〃 〃 〃
کتاب الاموال	امام ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ	فتاوی عزیزیہ	حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رح
بدائع الصنائع	ملک العلماء علاء الدین کاسانی رح	منصب امامت	حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل صاحب رح
فتح الباری شرح بخاری	حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ	مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی بحوالہ مجدد نمبر الفرقان	
حجۃ اللہ البالغہ	امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ	در مختار۔ شامی۔ فتاوی ہندیہ معروف بہ عالمگیریہ وغیرہ	

تاریخی اور سیاسی مباحث کے مآخذ

خلاصۃ التواریخ۔ ملا عبد القادر بدایونی
اکمال السعادت
سیر المتاخرین
آئین اکبری
تاریخ ہند
مجدد نمبر رسالہ الفرقان
ہدیہ مجددیہ۔
انوار احمدیہ
تاریخ ہند مصنفہ ذکاء اللہ صاحب
تاریخ پنجاب مصنفہ منشی عبد الکریم صاحب دہلوی
ارواح ثلاثہ

سوانح احمدی
حیات ولی
افسانہ غم
سوانح احمدی
تذکرۃ الرشید
در منثور فی تراجم اہل صادقپور
سیرت سید احمد صاحب شہید
انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ
نصرۃ الابرار
سفرنامہ اسیر مالٹا
تعلیمات اسلام مصنفہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم

تعلیمی ہند از مولانا سید حسین احمد صاحب
اسلام اور متحدہ قومیت 〃 〃
رولٹ ایکٹ کمیٹی کی تحقیقات کی رپورٹ
ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ
اسباب بغاوت ہند مصنفہ سر سید احمد صاحب
تاریخ بغاوت ہند عرف محاربہ عظیم مصنفہ منشی کنہیا لال صاحب
روشن مستقبل۔ حکومت خود اختیاری
خطبہ صدارت حضرت شیخ الہند اول رح
خطبہ صدارت حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب
خطبہ صدارت حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحب
دار العلوم نمبر رسالہ قاسم العلوم
اخبارات اور رسائل جنکا نام حاشیہ پر موقعہ بموقعہ درج ہے

امامِ ربّانی مجدد الف ثانی

سیّدنا ابوالبرکات بدرالدین حضرت مولانا شیخ احمد صاحب فاروقی سرہندی
قدس اللہ سرہ وبرّد مضجعہٗ

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم۔ امابعد

سیاسیات ہند کا موجودہ دور چونکہ اُن حالات کا نتیجہ ہے جو سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سے پیدا ہوئے۔ لہٰذا "علماءِ ہند کی شاندار ماضی" کا آغاز سیّدنا شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کے حالات سے کیا گیا تھا کیونکہ آپ کے زمانہ سے جس طرح سیاسیات ہند کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح علماء ربانیین کی اصلاحی اور انقلابی خدمات کا بھی ایک جدید سلسلہ شروع ہوتا ہے چنانچہ تقریباً نصف حصّہ کی کتابت بھی ہو چکی تھی، مگر اس خیال سے کہ ملّت اسلامیہ کی روایات "الف ثانی" (دوسرے ہزارہ) کو ایک سجدہ دور قرار دیتی ہیں، نیز اسلئے کہ وہ گلشن ربانی جو آج کائنات علمی کے لئے فردوس بنا ہوا ہے، اس کے سب سے پہلے باغبان حضرت مجدد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز ہی ہیں ضروری معلوم ہوا

اعتراف ناسپاسی ہوگی اگر تاریخ اور انساب کے مبصر اور ماہر جناب محمود احمد صاحب عباسی امروہوی کا ذکرِ خیر اس موقع پر نہ کیا جائے واقعہ یہ ہے کہ آپ کی فہمائش وفرمائش ہی سے اس اضافہ کا داعیہ احقر کے دل میں پیدا ہوا۔ نیز یہ اعتراف بھی ضروری ہے کہ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کے رسالہ الفرقان کا "مجدد نمبر" خاکسار کیلئے اس اضافہ کی تکمیل میں بہت زیادہ معین ثابت ہوا۔ فجزاہما اللہ احسن الجزاء ۱۲

کہ اس شجرۂ طوبیٰ کے مؤسس اوّل کے مختصر حالات سے اس ناچیز تصنیف کو شرف اندوز کیا جائے۔ اس اضافہ کے باعث قدرے بے ترتیبی اور تکرار تو ضرور ہو گیا مگر الحمد للہ کہ کتاب نے ایک تکمیل حاصل کر لی واللہ الموفق وھو المعین

خاندان اور بشارت

پنجاب کے مشہور اسلامی شہر "سرہند"[1] میں فاروقی شیوخ کا ایک خاندان آباد ہے جس کے اسلاف کچھ عرصہ پیشتر کابل سے یہاں آکر بس گئے تھے وہ اگرچہ اب ہندی ہیں مگر مدنی آفتاب کی کرنوں سے ان کے پاک جوہر درخشاں ہیں اور فاروقی صداقت و شہامت کے آثار ان کو مطلع ہندوستان کا ماہ و پروین بنائے ہوئے ہیں۔

اسی خاندان میں ایک بزرگ ہیں جناب مولانا شیخ عبدالاحد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز، آپ ظاہری اور باطنی کمالات سے مزین ہیں۔ فیوض و برکات کا سرچشمہ ہیں۔ سیدنا حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب گنگوہی کے خلیفہ ہیں۔ سلسلے چشتیہ میں بہت بڑے صاحب نسبت ہیں اور طریقۂ قادریہ میں بھی آپ کو اجازت حاصل ہے۔

جس طرح فیوض باطنی سے ارباب طریقت مریدین بہرہ ور ہوتے رہتے ہیں، اسی طرح علوم ظاہری "معقولات اور منقولات" کے طلبہ بھی اطراف و اکناف سے تشنہ لب حاضر ہوتے ہیں اور سیراب ہو کر "دریا بداماں" واپس جاتے ہیں۔

ایک مبارک شب میں آپ مصروف استراحت ہیں، قلب مبارک ملأ اعلیٰ کی طرف متوجہ ہے دفعۃً ایک خواب نظر آتا ہے کہ:۔

تمام جہان میں تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔ سؤر۔ بندر۔ ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے

[1] مجدد صاحبؒ کے زمانہ میں بہت بڑا شہر تھا۔ آج کل قصبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ریاست پٹیالہ (پنجاب) میں واقع ہے ۱۲

ہیں۔ یکایک سینہ سے ایک نور نکلتا ہے جس میں ایک تخت نمودار ہوتا ہے۔ تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ اس کے سامنے تمام ظالم۔ بے دین اور ملحد بھیڑ بکری کی طرح ذبح کئے جا رہے ہیں اور کوئی شخص بلند آواز سے کہہ رہا ہے:۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ — حق آیا۔ باطل فنا ہو گیا

إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا — باطل اسی لئے ہے کہ فنا ہو

حضرت شیخ بیدار ہوئے تو آپ کو مسرت آمیز حیرت تھی، مزید تشفی اور اطمینان کے لئے آپ نے اس زمانہ کے مرشدِ کامل قطب دوران حضرت شاہ کمال صاحب کیتھلی[1] سے تعبیر دریافت کی۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔

"تمہارے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس سے الحاد اور بدعت کی ظلمت دور ہوگی"[2]

ولادت باسعادت | ۱۴ شوال ۹۷۱ھ (نوسو اکہتر) روز جمعہ کی شب اس مبارک خواب کی تعبیر صادق ہوئی۔ صبح صادق سے پیشتر ہی اُفق جگمگا اُٹھا۔ شرقِ سعادت کی پیشانی منور ہوئی۔ کیونکہ تجدد اور تنور کا آفتاب طلوع ہوا، الف ثانی کی قسمت جاگی، علم و عرفان کی اُجڑی ہوئی بستی پھر آباد ہونے لگی۔ رشد و ہدیٰ کے خزان زدہ گلشن نے فصل گل کی تیاری کی۔

اسم گرامی اور سلسلہ نسب | نام مبارک "احمد" تجویز ہوا۔ نسب شریف اٹھائیس واسطوں سے امیر المومنین فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

---

[1] حضرت شاہ کمال صاحب کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت مجدد صاحب رحمۃ سے منقول ہے کہ:۔ سلسلہ قادریہ میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے بعد شاہ کمال کا مثل کم نظر آتا ہے ۱۲

[2] الخطبۃ الشوقیہ فی الحضرۃ المجددیہ مؤلفہ مولانا عبد الشکور صاحب بضمن مجدد نمبر ص ۶

اس نسب اقدس پر خود آپ کو بھی ناز تھا۔ چنانچہ حمیت و غیرت کے موقعہ پر اپنے مکتوبات میں بھی تحریر فرمادیا کرتے تھے:۔

"بے اختیار رگِ فاروقیم در حرکت آمد"[۱]

تحصیل علم | حفظ قرآن مجید سے فراغت کے بعد اکثر کتب درسیہ والد ماجد سے اور کچھ سرہند کے دوسرے علماء سے پڑھیں مثلاً عام درسیات اور کتب تصوف مثلاً تعرف، عوارف المعارف۔ اور فصوص الحکم وغیرہ والد بزرگوار سے۔ کتب حدیث حضرت شیخ یعقوب صاحب کشمیری سے۔ امام واحدی کی تفسیر "بسیط" نیز تفسیر "وسیط" اور اسباب النزول، تفسیر بیضاوی، منہاج الوصول، الغایۃ القصویٰ، صحیح بخاری شریف، ادب المفرد۔ ثلاثیات، مشکوۃ شریف، شمائل ترمذی شریف، قصیدہ بردہ، وغیرہ وغیرہ حضرت مولانا قاضی بہلول صاحب بدخشانی سے۔ معقولات کی کتابیں آپ نے مولانا کمال صاحب کشمیری سے پڑھیں جو اُس زمانہ میں ماہرِ فن مانے جاتے تھے

تحصیل طریقت | ابتداءً آپ نے طریقہ چشتیہ میں والد بزرگوار سے بیعت کی، اور اُس کا سلوک تمام کیا، پھر طریقۂ قادریہ پر راہ وری شروع کی، اس کے رہنما اور مرشد بھی والد بزرگوار ہی تھے۔ مگر خرقۂ خلافت حضرت شاہ سکندر[۲] نبیرہ حضرت شاہ کمال صاحب کیتھلی رح سے حاصل ہوا۔

سترہ برس کی عمر میں جامع کمالات | المختصر صرف ۱۷ سال کی عمر میں آپ ظاہری اور باطنی کمالات کے جامع اور حاوی بن کر اپنے والد صاحب کے سامنے ہی کتب

---

[۱] مکتوب نمبر ۱۰۰ دفتر اول حصہ دوم۔ مکتوب نمبر ۱۰ دفتر دوم حصہ ششم وغیرہ ۱۲

[۲] آفتاب کو آدمی کسی طرح دیکھ بھی سکتا ہے۔ مگر شاہ سکندر رح کے منور اور مصفےٰ قلب پر نظر جمانا ناممکن (مقصود مجدد صاحب بحوالہ خطبہ شوقیہ)

برسیہ کی تعلیم اور طریقہ کی تلقین فرمانے لگے۔

طریقہ کبرویہ کی تحصیل

اسی زمانہ میں سلسلہ کبرویہ کے مشہور ولی اللہ حضرت مولانا یعقوب صاف صرفی تھے، آپ سے مجدد صاحب نے طریقہ کبرویہ بھی حاصل کیا۔

طریقہ نقشبندیہ کا شوق اور بیعت

چشتیہ، قادریہ اور کبرویہ طریقوں سے مراحل معرفت طے فرما چکے تھے، مگر طریقہ نقشبندیہ کا شوق اب بھی قلب اطہر میں باقی تھا۔ جو بڑھتے بڑھتے عشق کی حد پر پہونچ گیا۔ حتیٰ کہ ۱۰۰۸ھ میں جب کہ آپ کے والد بزرگوار نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی اور آپ بارادۂ حج بیت اللہ اپنے وطن مبارک سے روانہ ہو کر دہلی پہونچے تو ملا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی جن سے غالباً پہلے سے شناسائی تھی۔ انہوں نے برسبیل تذکرہ حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی احراری رحمہ اللہ کا ذکر کیا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب[1] اطراف کابل کے باشندے تھے، مگر غیبی اشارات کی بنا پر ہندوستان تشریف لائے تھے۔ تاکہ یہاں سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج فرماویں چنانچہ آپ کا ارشاد ہے۔

این تخم پاک را از سمرقند و بخارا آوردیم و در زمین برکت آگین ہند کشتیم الحمد للہ کہ بعنایت الٰہی شجرہ طیبہ اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء ظاہر شد۔

اس پاک تخم کو سمرقند اور بخارا سے ہم لائے ہیں اور ہندوستان کی زمین برکت آگین میں اس تخم کو بویا ہے الحمد للہ کہ خداوند عالم کی عنایت سے ایسا درخت بن گیا جسکی جڑ زمین میں ہے اور پھونگل آسمان میں ہے۔

---

[1] آپ کی ولادت ۹۷۱ھ میں بمقام کابل ہوئی۔ یہی سال حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی ولادت کا ہے۔ ۲۵ جمادی الاخری ۱۰۱۲ھ بروز شنبہ بعمر اکتالیس سال بمقام دہلی وفات پائی۔ مزار مبارک دہلی میں بیرون لاہوری دروازہ واقع ہے۔ مزار مبارک کے قریب ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد ہے جس میں سنگ بصری کے ستون ہیں ۱۲ (خطبہ شوقیہ)

بہر حال ملا حسن کشمیری سے جیسے ہی سلسلہ نقشبندیہ کے ایک مرشد کامل کا تذکرہ سُنا، زیارت کا وہی اشتیاق قلبِ مبارک میں پیدا ہوا جو سالہا سال کے آرزو مند اور مشتاق کو ہونا چاہیئے آپ جلد سے جلد حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

بہر حال یہ وہی خداوندی انعام تھا کہ حضرت خواجہ صاحبؒ بھی اپنی عام عادت کے برخلاف مجدد صاحبؒ سے بہت زیادہ ملاطفت اور بشاشت سے پیش آئے اور دو چار ہفتہ دہلی قیام کی فرمایش فرمائی۔ حضرت امام ربانی نے ڈھائی ماہ دہلی میں قیام فرمایا اور جو قلب کہ ابتدا ہی سے صیقل دیا جا رہا تھا وہ اس ڈھائی ماہ کی صحبت ہی میں کُندن بن گیا اور نسبت[1] نقشبندیہ کامل طور پر حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد مجدد صاحبؒ دو مرتبہ اور دہلی تشریف لائے اور حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے

پہلی مرتبہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے خوش خبری سُنائی کہ آپ کو نسبتِ نقشبندیہ کامل طور پر حاصل ہو گئی، قربِ خداوندی میں روز افزوں ترقی کی اُمید ہے۔

دوسری حاضری میں خلعت خلافت عطا فرمائی گئی۔ اور خاص خاص اصحاب کو تعلیم کیلئے مجدد صاحبؒ کے سپرد کیا گیا۔

تیسری بار حضرت خواجہ صاحب نے چند قدم چل کر استقبال فرمایا اور بڑی بڑی بشارتیں سنائیں اور بہت کچھ اعزاز و اکرام کیا

---

[1] حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فرماتے ہیں:۔ نسبت نقشبندیہ نام ہے دوامِ حضور و آگاہی کا جس کے ساتھ غیبت بالکل نہ ہو۔ اسی چیز کو حدیث میں کانک تراہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے ۱۲ (خطبہ شوقیہ)۔

حضرت امام ربانی جب تیسری بار حضرت خواجہ صاحبؒ سے رخصت ہونے لگے تو حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ جب میں نے ہندوستان آنے کا ارادہ کیا تھا تو استخارہ کیا۔ مجھے استخارہ میں معلوم ہوا کہ ایک شیریں نغمہ خوبصورت طوطا میرے ہاتھ پر آکر بیٹھ گیا ہے۔ میں اپنا لعاب دہن اُس کے منہ میں ڈال رہا ہوں اور وہ اپنی چونچ سے میرے منہ میں شکر ڈال رہا ہے۔ میں نے اس استخارہ کو حضرت شیخ مرشد خواجہ امکنگی[1] رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا۔ فرمایا کہ:۔ ہندوستان میں تمہاری تربیت سے کوئی ایسا شخص ہوگا جس سے ایک عالم منور ہوا اور تم کو بھی اس سے حصہ ملے۔

مختصر یہ کہ اسی قسم کی بہت سی بشارتیں حضرت مجدد صاحبؒ کو سنا کر رخصت فرمایا

اوصاف و خصائل | چونکہ انسان کے عادات و خصائل اس کے فطری جذبات اور طبعی رجحانات کے آئینہ دار ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے خدمات اور نظریۂ اصلاح سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف کے اوصاف و خصائل کا بھی ذکر خیر کر دیا جائے۔

حلیہ | قد مبارک متوسط۔ چہرہ انور با وجاہت۔ رنگ گندمی مائل بسفیدی۔ پیشانی کشادہ، داڑھی گھنی۔ آنکھیں بڑی بڑی۔ صورتِ اقدس انوار ولایت سے تاباں خوبصورتی اور ملاحت کے ساتھ آثار رعب و ہیبت نمایاں، جو دیکھ لیتا، بے اختیار یہی کہتا

تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ

اوصاف | نہایت حلیم۔ کریم النفس۔ مدبّر۔ ذہین۔ ذکی۔ کلام نہایت شیریں،

---

[1] آپ کی ولادت ۹۱۸ھ میں ہوئی وفات ۱۰۰۸ھ میں نوے سال عمر پائی اپنے والد ماجد درویش محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ اور درویش محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ کے خلیفہ تھے ۱۲ خطبہ خوقیہ

اور شائستہ و شستہ۔ طبیعت نہایت غیور اور خود دار۔ استغنار کی یہ حالت کہ باوجودیکہ جہانگیر جیسا بادشاہ غلام بن گیا تھا مگر کبھی کوئی مستقل ذریعہ آمدنی کا نہ پیدا ہوا نہ پیدا کرنے کا خیال کیا گیا۔

اِتّباعِ سنت مندرجہ ذیل چند واقعات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اتباعِ سنت اور بدعات سے اجتناب و احتیاط کس حد تک بڑھی ہوئی تھی۔

(الف) ایک مرتبہ کسی خادم سے فرمایا۔ فلاں جگہ کچھ لونگیں رکھی ہیں جاؤ لے آؤ۔ وہ گیا اور چھ دانے لے آیا۔ آپ نے اُس کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

ہمارے صُوفی کو اب تک یہ بھی خبر نہیں کہ جُفت کے مقابلہ پر طاق کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔ اسی کی رعایت مسنون ہے۔ اللہ وتر یحبّ الوتر

میں تو وضو دھوتے وقت خیال رکھتا ہوں کہ پہلے دہنے رخسارہ پر پانی پڑے کیونکہ "تیامن" یعنی دہنی جانب کو مقدم رکھنا بھی مسنون ہے۔

(ب) مکتوب نمبر ۲۱۳ دفتر اوّل حصہ پنجم ۱۷۳ مولانا محمد ہاشم صاحب کو اِس سؤال کے جواب میں کہ کُرتے کا چاک گریبان سامنے سینے پر ہونا مسنون ہے یا شانوں پر، لکھتے ہیں:۔

بداں کہ ما ہم دریں باب تردّد داریم۔ اہل عرب پیراہن پیش چاک می پوشند و آں را سنت می دانند۔ و از بعضے کتب حنفیہ مفہوم می شود کہ پیراہن پیش چاک مرداں را نباید پوشید کہ لباس زناں است ۱۲

واضح ہو کہ اس بارہ میں ہمیں بھی تردد ہے عرب والے سامنے سینہ پر گریبان رکھتے ہیں اور اسی کو مسنون قرار دیتے ہیں اور حنفیہ کی کچھ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سینے پر گریبان مردوں کو نہ پہننا چاہیے۔ یہ زنانہ لباس ہے

اس کے بعد فقہ کی کتابوں کی عبارتیں نقل فرمائی ہیں اور اپنی تحقیق یہ بیان فرمائی ہے کہ چاک گریبان کے لئے کوئی خاص ہیئت مسنون نہیں ہے اور احادیث میں عورتوں کے مشابہ لباس پہننے سے منع فرمایا گیا ہے، لہٰذا جن مقامات میں عورتوں کے کرتوں میں چاک گریبان سامنے رہتا ہو۔ وہاں مردوں کو شانوں پر چاک رکھنا چاہیئے۔ جیسا کہ علمار ماوراءالنہر اور علمار ہند کی وضع ہے۔ چنانچہ حضرت کے کُرتہ کا چاک بھی دونوں شانوں پر رہتا تھا۔ [1]

مختصر یہ کہ لباس، وضع قطع، رفتار گفتار، خورونوش، آداب مجلس نشست و برخاست، رنج و راحت غرض ہر شعبۂ زندگی کے معمولی سے معمولی جزئیہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت کی تحقیق اور تفتیش پوری کاوش اور جدوجہد سے کرتے اور پھر اُسی کی اتباع کرتے۔

دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب دوم میں اتباع سنت کے سات درجہ بیان فرماتے ہوئے تیسرے درجہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ درجہ اس کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتا کہ انسان بدعت کے نام سے بھی نفرت اور پرہیز کرے حتیٰ کہ جن چیزوں کو بدعتِ حسنہ کہا جاتا ہے اُنسے بھی اجتناب کرے"

عبادت | جس کے لئے دنیا نے صرف مُرشد یا قطب عالم کے خطاب پر قناعت نہ کی ہو بلکہ مجدّد کا خطاب دیا ہو اور پھر مجدد بھی ایک صدی کا نہیں بلکہ پورے ہزارہ کا مجدّد تسلیم کیا گیا ہو۔ اُس کی عبادت کی کثرت ایک بدیہی چیز ہے، ہاں نوافل میں جن چیزوں کا خاص طور پر لحاظ کیا جاتا تھا اُن کا بیان غیر موزوں نہ ہوگا

[1] الخطبۃ الشوقیۃ فی الحضرۃ المجددیہ ۱۲

ابتداء میں نفل نمازوں میں سورۂ یٰسین پڑھا کرتے تھے جس کی تعداد اسّی تک پہونچتی تھی۔ مگر آخر میں ختم قرآن معمول ہو گیا تھا۔ جو دعائیں خاص خاص اوقات کیلئے احادیث میں وارد ہوئی ہیں، اُن دعاؤں کا التزام گویا فطری عمل ہو گیا تھا۔ جو بلا قصد بھی صادر ہو جاتا تھا۔

رات دن کا نظام الاوقات نصف شب سے تہجد کیلئے اُٹھنے کا معمول تھا اور ہر دو رکعت کے بعد توبہ، استغفار، درود شریف اور دُعاؤں کے بعد مراقبہ فرماتے تھے، یہ سلسلہ فجر تک قائم رہتا تھا۔ فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کے بعد اشراق تک اپنے متوسلین کے ساتھ مراقبہ میں بیٹھتے تھے۔ اشراق کے بعد دیگر مشاغل میں مصروف ہوتے، اکثر متوسلین کا ہجوم رہتا حتی کہ چاشت کی نماز کا وقت ہوتا نماز چاشت کے بعد کچھ غذا تناوُل فرماتے، جو فقرا، حاضرِ خانقاہ ہوتے وہ بھی دسترخوان پر حاضر ہوتے یا ان کو کھانا تقسیم کردیا جاتا۔ کھانے کے بعد قیلولہ فرماتے، پھر زوال کے بعد سُنّتیں اور اُس کے بعد ظہر کی سُنّتیں اور فرض وغیرہ سے فراغت پاکر متوسلین باریاب ہوتے اور فیوض و برکات سے استفادہ کرتے، یہ سلسلہ نماز عصر تک جاری رہتا اور عصر کے بعد تحیۃ الوضو اور عصر کے نوافل پڑھتے پھر جماعت سے فراغت پاکر تلقین کا سلسلہ جاری رہتا۔ نماز مغرب کے بعد نوافل کا طویل سلسلہ عشاء کے قریب تک جاری رہتا۔ نماز عشاء کے بعد آرام فرمانے کا وقت تھا۔ رات دن کے نوافل میں ایک قرآن شریف ختم کرلیا جاتا تھا۔ اسی اثناء میں تصانیف، مکاتیب اور درس و تدریس، وعظ و تلقین کا سلسلہ جاری رہتا۔ سفر میں بھی معمولات پر پابندی کی کوشش کیجاتی۔

مجالس میں ذکر خیر، احادیث اور قرآن پاک کی شرح و تفسیر کا سلسلہ اہم ترین مشغلہ تھا، بسا اوقات حُفّاظ سے اور نو وارد قرار سے بھی قرآن شریف پڑھوا کر سنا جاتا تھا۔ قرآن پاک سے شغف اور محبت کے متعلق گویا آپ کا معمول جامی کا یہ شعر تھا

مصلحت نیست مرا سیری ازاں آبحیات ضَاعَفَ اللّٰہُ بِہٖ کُلَّ زَمَانٍ عَطَشِیْ

مہماں نوازی ہر روز تقریباً ایک سو علماء اور صلحاء اور حفاظ آپ کے دستر خوان پر حاضر ہوتے تھے۔ رمضان المبارک میں یہ تعداد اور بھی بڑھ جاتی تھی۔

حقوق عباد حقوق عباد کی ادائیگی ولایت کے لئے شرط کی حیثیت رکھتی ہے ایک مجدد حقوق عباد کی ادائیگی میں کس قدر مستعد ہوگا۔ اس کی توضیح کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح اولاد کی خبر گیری، اہل و عیال کی تعلیم و تربیت، علوم شرعیہ کی زبانی اور کتابی تعلیم، اور احکام ربانی پر عمل کرانے کی جدو جہد وغیرہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو ولی اللہ کی پاک زندگی میں کسی بیان کی محتاج نہیں۔

ماحول اور خدمات

عبادت، حسن معاشرت، ذکر و شغل، حسن اخلاق بیشک بیش بہا جواہر ہیں انمول موتی ہیں۔ دین و دنیا کی سعادت عظمیٰ کا راس المال ہیں مگر مجددیت کا اثبات ان چیزوں سے نہیں کیا جاتا۔

مجدد[1] کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان رخنوں اور کوتاہیوں کو دور کرے جو اہل ملت

[1] مجدد کی تحقیق ہمارے رسالہ کے موضوع سے خارج ہے۔ اس سلسلہ میں احقر کا ایک مفصل مضمون جریدۂ استقلال دیوبند میں شایع ہو چکا ہے اور مرقاۃ ملا علی قاری، کنز العمال فتاوی مولانا عبد الحی رح وغیرہ میں اس مضمون کو ملاحظہ فرمالیا جاوے۔ الفرقان کے مجدد نمبر میں بھی اس پر اچھی بحث کی گئی ہے۔ ۱۲ منہ

کی افراط و تفریط کے باعث ملّت میں پیدا ہو گئے ہیں۔

جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا گیا تو اہم سوال یہ تھا کہ انسانی طبقات کی فطری کجروی یا شیطانی وسیسہ کاری جو بسا اوقات غیر دین کو دین کا رنگ دیکر یا ارکان دین کو غیر ضروری مان کر ناگوار دجل اور آمیزش سے دین کو متزلزل کر دیا کریگی اُس کا تدارک کیا ہوگا۔ تو اس کے علاج کیلئے جیسا کہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون ادا فرمایا گیا کہ:۔

"اُمت اسلامیہ کے پختہ کار ربانی علما ہر زمانہ میں موجود رہیں گے جو راہ مستقیم پر جم کر متوسلین کو بھی سیدھی راہ بتاتے رہیں گے"۔ اسی طرح یہ بھی ارشاد ہوا۔

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا	خداوند عالم اس اُمت کیلئے ہر سو سال پر ایک ایسا شخص پیدا کرتا رہیگا جو دین کو تازہ کرتا رہیگا

(ابوداؤد شریف) مستدرک حاکم۔ معجم اوسط طبرانی۔ بیہقی وغیرہ)

یہاں اہم سوال یہ ہے کہ وہ کون سی خدمات ہیں جن کی بنا پر اُمت نے آپ کو نہ صرف سو سال کا مجدد تسلیم کیا بلکہ پورے ہزارہ کا مجدد آپ کو تسلیم کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ تجدید اور مجددیت کا تعلق اب صرف کثرت عبادت و ریاضت یا حسن طریقت سے نہیں رہ جاتا، یہاں اس کے ماسوا کسی اور چیز کی ضرورت ہے، چنانچہ خود حضرت مجدد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

اے فرزند باوجود این معاملہ کہ بخلقت من مربوط بودہ است کارخانہ عظیم دیگر بمن حوالہ فرمودہ اند و برائے پیری و مریدی مرا	فرزندا۔ باوجود اس معاملہ کے جو میری پیدایش سے متعلق ہے ایک بڑا کارخانہ میرے حوالہ فرمایا گیا ہے۔ پیری مریدی کے لئے مجھ کو

نیاوردہ اند و مقصود از خلقتِ من تربیت
و ارشادِ خلق نیست معاملہ دیگر است و کارخانہ
دیگر دریں ضمن ہر کہ مناسبت دارد فیض خواہد
گرفت والا لا۔ معاملہ تکمیل و ارشاد نسبت
بآں کارخانہ امرے ست ہمچو مطروح فی الطریق
المکتوب ع۶ دفتر دوم ص۱۷

نہیں لایا گیا اور میری پیدائش سالکین
کی تربیت اور ارشاد خلق بھی مقصود نہیں
ایک دوسرا معاملہ ہے اور ایک دوسرا کارخانہ
اس اثنا میں جو شخص مناسبت رکھے گا۔
فیض حاصل کریگا ورنہ نہیں۔ میرے سپرد کردہ
کارخانہ کے مقابلہ میں تکمیل و ارشاد کا معاملہ

تو ایک ایسا معاملہ ہے جیسے راستہ کی کوئی پڑی ہوئی چیز ہو۔

ہم جیسے کور باطن جو تاریخ کے اوراق کو سامنے رکھکر واقعات کے اسباب اور دعووں کے دلائل تلاش کرنے کے عادی ہیں کسی روحانی کارخانہ کے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے لہٰذا معین طور پر یہ دعویٰ تو یقیناً بے محل ہوگا کہ مجددیت کی جو دلیل ہم تاریخ کی روشنی میں پیش کریں گے صرف وہی ایک دلیل ہے البتہ یہ یقیناً کہیں گے کہ تاریخ بھی اپنے اوراق کے دامنوں میں کچھ ایسے واقعات چھپائے ہوئے ہے جن کے انجام دینے والے کو لا محالہ مجدد ہی کہنا چاہیئے۔ تاریخی حیثیت سے دلائل مجددیت پیش کرنے کی خاطر ہمیں سب سے پہلے اُس ماحول کا تعارف کرانا ضروری ہے۔ جس میں حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ظہور فرمایا اور اپنی مقدس حیات کے ۶۳ سال گذارے۔

(۱) فتنۂ اکبری

اکبری اور جہانگیری عہد

سنہ ۹۶۳ھ سے لیکر سنہ ۱۰۱۴ھ تک پچاس سال سے بھی کچھ زائد جلال الدین اکبر ہندوستان کا بادشاہ رہا جس کو آج بھی شہنشاہ اکبر کہا جاتا ہے

پھر ۱۰۱۴ھ سے جہانگیری عہد شروع ہوتا ہے جو ۲۲ سال کے بعد حضرت مجدّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے ساتھ ساتھ ختم ہوا۔ حضرت مجدّد صاحبؒ ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے جو عہد اکبری کا شباب تھا۔ ۱۷ سال تعلیم و تربیت ختم کرکے اس فریضہ کی ادائیگی میں مشغول ہوگئے جس کا نتیجہ مجدّدیت کا خطاب تھا۔ یعنی ۹۸۸ھ سے آپ نے اصلاحی خدمات شروع کیں جو عہد اکبری کا پرشوکت دور تھا۔

ہم آئندہ مفصل عرض کریں گے کہ اسلام سیاست ہے اور اسی لئے سیاسی خدمات کو اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے، جب کوئی اس نظریہ کو لے کر اسلامی خدمات انجام دینا چاہیگا تو لامحالہ اُس کا مقابلہ سب سے پہلے اُس زمانہ کی سیاست سے ہوگا۔ چونکہ شخصی حکومتوں میں بادشاہ کا طرز و طریق اور اُس کے افعال و اطوار ہی سیاست ہوتے ہیں لہٰذا اکبر کی سیاست بیان کردینا ہی حضرت مجدّد صاحبؒ کے سیاسی ماحول کا بیان ہوگا۔

مگر اکبری سیاست کی توضیح و تشریح سے پیشتر چند چیزیں پیش کرنی ضروری ہیں آج جب کہ تاریخی شگوفوں میں رگِ گل پر بھی نشتر زنی سے نہیں چوکا جاتا اور جبکہ چیونٹی کی آنکھوں کے پردے گننے کی بھی ہمت کی جاتی ہے تو اس معمہ کے حل کرنے میں کچھ زیادہ دقت نہ ہونی چاہیئے کہ:۔ (الف) جلال الدین اکبر کو "اکبر دی گریٹ" کیوں کہا جاتا ہے (ب) بیربل اور اکبر کی کہانیاں کیوں آجتک ہندوستان کی گلی کوچوں میں برادران وطن کے بچے بچے کی زبان پر ہیں اور اُس کے نورتن کا تذکرہ کیوں آج تک دلچسپ اور دلدوز بنا ہوا ہے۔ (ج) غریب عالمگیر کا کون سا جرم ہے کہ مذہبی متعصب، مذہبی دیوانہ اور لفظ عالمگیر کو مرادف بنالیا گیا ہے

حتیٰ کہ بقول مولانا مناظر احسن گیلانی[1]:-

کمپنی بہادر کے عہد میں سب سے پہلے جو ہندوستان کی تاریخ فارسی زبان میں مرتب ہوئی وہ بہار جو بنگال کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کا سب سے پہلا اجارانی محروسہ ہے۔ راسی بہار کے ایک طباطبائی سید صاحب کے قلم سے یہ فقرہ ان کی کتاب سیر المتاخرین میں درج ہوا۔

مذہب الٰہی کہ آسائش غیر متناہی خلق دراں بود تا عہد جہانگیری رواج داشت باز از عہد شاہ جہاں تعصب شروع شد و در عہد عالمگیر شدت پذیرفت۔ سیر المتاخرین صـ۴۴۷ ج ۱	مذہب الٰہی جس میں خلق اللہ کیلئے بیشمار فائدے تھے جہانگیر کے زمانہ تک اُس کا چرچا اور رواج رہا پھر شاہ جہاں کے زمانہ سے تعصب شروع ہوا اور عالمگیر کے عہد میں اُس نے شدت اختیار کر لی۔

خاکسار نے کچھ عرصہ پیشتر حضرت مجدد صاحبؒ کے حالات پر ایک مختصر مضمون لکھا تھا جو الفرقان کے مجدد نمبر میں شائع ہوا۔ اس میں صـ۱۹۶ پر چند نمبر ان سوالات کے جوابات کے طور پر درج ہیں، ان نمبروں کی توضیح و تشریح تو ناظرین کرام اس کتاب میں سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے حالات کے سلسلہ میں ملاحظہ فرمائیں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ)، ہم یہاں ملا عبد القادر صاحب بدایونی کی مشہور کتاب "منتخب التواریخ" کے اقتباسات کو اس معمہ کے حل کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔

ملا صاحب موصوف عہد اکبری کے مورخ ہیں۔ درباری آدمی ہیں۔ حلفیہ شہادت[2] کے ساتھ تمام واقعات کو قلمبند کرتے ہیں اور اس موقع پر ہم شکر گذار ہیں

---

[1] ملاحظہ ہو الفرقان کا مجدد نمبر صـ۱۰۱ [2] یہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمایا جائے

مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کے کہ آپ کے مضمون[1] نے ہمیں ترتیب کی اُلجھن سے نجات دلادی۔ فللّٰہ الحمد و لہم الشکر۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

اکبر بادشاہ کی سیاست

اکبر بادشاہ ۲۳ نومبر ۱۵۴۲ء مطابق ۹۵۰ھ میں سندھ کے ریگستان میں "امرکوٹ" مقام پر اُس وقت پیدا ہوا تھا جب اُس کا باپ "ہمایوں" شیر شاہ افغانی کے ہاتھ سے بھاگتا پھر رہا تھا، ہمایوں کی جب وفات ہوئی تو اس کی عمر ۱۳ سال ۴ ماہ تھی۔ تختِ سلطنت پر اکبر کو بٹھا دیا گیا۔ اور اس کے اتالیق "بیرم خان" کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور دیدی گئی۔ اسوقت اس کو عادل شاہ اور سکندر سوری کی افغانی فوجوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ کچھ دنوں اکبر بیرم خان کی تربیت میں رہا۔ اور جب زمامِ حکومت مستقل طور پر اُس نے اپنے ہاتھ میں لی تو اُس کی سیاست تین طاقتوں میں محصور تھی۔

(الف) افغان۔ جن سے اُس کا باپ شکست کھا کر ہندوستان سے جلاوطن ہو چکا تھا اور پھر خود اکبر کو اُن کے مقابلہ کیلئے تیار رہنا پڑتا تھا۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ملا صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔ دلیری بر نوشتن آن قضایا کہ از وادیٔ حزم و احتیاط بغایت دُور بود کردم و خدائے عزوجل گواہ ست و کفیٰ باللہ شہیدا کہ مقصود ازین نوشتن غیر از درد دین و دل سوزی بر ملتِ مرحومہ اسلام کہ عنقا وار رُوئے غربت کشیدہ و سایۂ بلائے ہما خود را از خاک نشینان گیتی باز گرفتہ چیزے دیگر نہ نبود واز لعنت و حقد و حسد و تعصب بخدا پناہ می جویم (صہ ۲۶۴)

[1] یہ مضمون مجدد نمبر میں شائع ہوا ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں خاکسار کی جماعت پر مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے جگہ جگہ نکتہ چینی کی ہے۔ جس کا جواب بھی اس رسالہ کے حاشیہ میں ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں گے لیکن کسی فاضل کی کسی بہتر خدمت کو نظر انداز کر دینا یا اُس سے استفادہ کرتے ہوئے اس کا ذکر نہ کرنا بدترین بخل اور قابل نفرت دیانت ہے، اعاذنا اللہ من الجبن والبخل والبغض والحسد والبغضاء ۱۲ منہ

(ب) شیعہ جن کا مرکز ایران تھا اور جن کی بدولت ہمایوں کو دوبارہ دہلی کا تخت نصیب ہوا تھا۔

(ج) ہندو جو اگرچہ ہندوستان میں پوری تعداد میں تھے مگر شاہانِ گذشتہ کے رُعب وشکوہ سے اس درجہ مقہور ہو چکے تھے کہ اب اُن میں مقابلہ کی طاقت نہیں رہی تھی۔

اکبر اگر کسی ایک مذہب پر مستقل طور سے قائم رہتا تو اُس کو دوسرے مذہبوں سے ٹکرانا پڑتا تھا۔ اور چونکہ افغان اُس کے مقابل تھے لہٰذا اکبر نے شیعوں اور ہندوؤں کی دلداری کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اُس نے سیاست کو مذہب پر ترجیح دی اور سُنیّوں کے سوا ہر ایک کی دلداری میں مشغول ہو گیا، اپنے دربار میں ہر مذہب کے عُلما کا اجتماع کرانا، مباحثے سُننا۔ یہ اُس کی سیاست تھی تاکہ ہر ایک مذہب کی توقعات اُس سے وابستہ ہوں۔ کاش وہ مذہب کا عالم ہوتا تو وہ اسی دلداری میں اسلامی حکومت کا نقشہ بھی قائم کر دیتا۔ ورنہ کم از کم بددینی نہ اختیار کرتا، مگر وہ تو دستخط کرنے بھی نہ جانتا تھا، اُس نے اصلاح کے بجائے افساد کی طرف قدم بڑھایا اور ایک نئے مذہب کی ترتیب شروع کر دی جس کا نام "دینِ الٰہی" رکھا منتخب التواریخ کے الفاظ میں مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کی ترتیب کے مطابق اس مذہب کی داستان ملاحظہ فرمائیے۔

دینِ الٰہی کے عناصر

عبادت آفتاب را روزے چہار وقت	آفتاب کی عبادت دن میں چار وقت یعنی
کہ سحر و شام و نیم روز و نیم شب باشد لازم	صبح و شام، دوپہر آدھی رات میں لازمی طور پر

گرفتند و ہزار و یک نام ہندی آفتاب را وظیفہ ساختہ نیم روز متوجہ آن شدہ بحضور دل می خواندند و ہر دو گوش گرفتہ و چرخے زدہ مشتہا بر بنا گوش کوفتہ حرکاتے دیگر نیز ازیں قبیل بسیار بود و قشقہ کشیدند و نوبت و نقارہ یکے در نیم شب و یکے در وقت طلوع قرار یافت۔ (م ۳۲۲)

کرتے تھے اور ایکہزار ایک آفتاب کے ہندی ناموں کو اپنا وظیفہ بنایا تھا، ٹھیک دوپہر کو آفتاب کی طرف متوجہ ہو کر حضور قلب کے ساتھ ان ناموں کو پڑھا کرتے تھے اور اپنے دونوں کانوں کو پکڑ کر بادشاہ ایک چرخ کھاتا اور کانوں کی لو پر مکّے لگاتا اور اسی قسم کی دوسری حرکات بھی بہت سی بادشاہ سے صادر ہوتی تھیں وہ قشقہ بھی لگاتا تھا اور آدھی رات کو ایکدفعہ پھر طلوع آفتاب کے وقت دوسری بار روزانہ نوبت اور نقّارہ بھی مقرر تھا۔

یہ قاعدہ مقرر تھا کہ جب آفتاب کا ذکر کیا جائے تو (العیاذ باللہ) اُس وقت جَلَّتْ قُدْرَتُہٗ کہا جائے۔ اور ایک بیچارہ آفتاب کیا۔

ہمچنیں آتش و آب و سنگ و درخت و سائر مظاہر روزگار تا گاؤ و سرگین آن نیز و قشقہ و زنار را جلوہ داد و دعا و تسخیر آفتاب کہ ہندوان تعلیم دادہ بودند بطریق ورد در نیم شب و وقت طلوع خواندن گرفتند۔ (م ۲۶۱)

اسی طرح آگ، پانی، درخت اور تمام مظاہر فطرت حتیٰ کہ گائے اور گائے کے گوبر تک کو پوجتا تھا اور قشقہ اور جنیو سے اپنے بدن کو آراستہ کرتا تھا اور آفتاب کے مسخر کرنے کی دعا جسکی تعلیم ہندوؤں نے دی تھی "ورد" کے طور پر آدھی رات کو اور طلوع آفتاب کے وقت پڑھا کرتا تھا۔

اور صرف عبادت ہی نہیں کی جاتی تھی بلکہ "ربوبیت" میں بھی اُسکو شریک ٹھیرایا گیا تھا کہ:۔

آفتاب نیر اعظم و عطیہ بخش تمام عالم ومُربی بادشاہان و بادشاہ مروج او بند (صلا ۲۶۱)	آفتاب نیر اعظم ہے اور سارے عالم کو وہ داد و دہش کرتا ہے بادشاہوں کا مُربی اور

سرپرست سورج ہی ہے اور سلاطین اُس کو رواج دینے والے ۔

کواکب پرستی میں غلو اس قدر بڑھ گیا تھا کہ :۔

لباس را موافق رنگ یکے از سبع سیارہ کہ ہر روزے کو بے منسوب است ساختند۔ (صلا ۲۶۱)	بادشاہ اپنے لباس کا رنگ سات ستاروں کے رنگ کے موافق رکھتے تھے چونکہ ہر دن کسی ستارہ

کے ساتھ منسوب ہے اسلئے ہر دن کے لباس کا رنگ جُداگانہ مطابق رنگ ستارہ ہوتا تھا۔

" سؤر " کے متعلق بھی ہندؤں نے باور کرایا تھا کہ :۔

"خوک ازاں وہ مظہر است کہ حق تعالیٰ دراں حلول کردہ " (العیاذ باللہ)

مبدأ اور معاد پر مذاہب کی بنیاد قائم ہے ، ان میں سے مبدأ کے متعلق تو یہ عقیدہ قرار دیا گیا۔ رہا معاد یعنی " بعد مردن " اس کے متعلق جدید دین میں :

در مذہب تناسخیہ رُسوخ قدم حاصل شد (صلا ۲۵۸)	تناسخ کے عقیدہ میں ، بڑی پختگی پیدا ہوگئی تھی ۔

اعظم خان گورنر بنگال جب دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا :۔

ما دلائل قطعی بر حقیقت تناسخ یافتہ ایم شیخ ابو الفضل خاطر نشاں شما خواہد کرد۔ (صلا ۳۰۰)	ہم نے تناسخ کی صداقت پر قطعی دلائل حاصل کر لئے ہیں۔ شیخ ابو الفضل تمہارے ذہن نشین کرا دے گا۔

اِس مسئلہ کے متعلق خوش اعتقادی یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ برہمنوں کے مشورہ سے بادشاہ صرف سر کے بیچ کے بال منڈوایا کرتے تھے اور چاروں طرف کناروں کے

بال چھوڑ دئے جاتے تھے۔ عقیدہ یہ تھا کہ چونکہ بادشاہ کی رُوح کامل کمل ہو چکی ہے اور:۔

روح کامل کملاں از راہ ہامہ کہ منفذ دہم است خروج سیکنند دراں وقت آوازے مثل صاعقہ میکنند و آن دلیل سعادت و نجات میت است از گناہاں و علامت حلول روح است بمذہب تناسخ در بدن بادشاہے ذی شوکتے صاحب اقتدارے نافذ الامرے (ص ۳۲۵)

اور کامل کمل لوگوں کی روح کھوپری (تالو) کی راہ سے نکلا کرتی ہے جو دس سوراخوں (یعنی بدن کے) سوراخوں میں سے دسواں سوراخ ہے جس وقت کاملوں کی رُوح کھوپری سے نکلتی ہے اُسوقت ایک کڑاکے کی آواز پیدا ہوتی ہے اور یہ آواز روح کی سعادت و نجات کی دلیل ہوتی ہے اور یہ کہ مردوں کو گناہوں سے نجات ہو گئی

(شاید جلنے کے وقت آخر میں جو مردوں کی کھوپری پھٹتی ہے اُسوقت ایک آواز قدرتی طور پر پیدا ہوتی ہے، برہمنوں نے اسی کو نجات کی دلیل بنالیا ہوگا) بہر حال اس آواز کو یہ لوگ اسکی دلیل بھی قرار دیتے تھے کہ ایسے آدمی کی روح کسی صاحب اقتدار و شوکت اور مطلق العنان بادشاہ کے بدن میں جنم لیتی ہے۔

گویا اس طریقہ سے بادشاہ کو یقین تھا کہ مرنے کے بعد پھر کسی دوسرے تخت پر اسی شان و شوکت کیساتھ جلوہ گر ہوں گے، اگرچہ بعض برہمنوں نے تو یہ بھی باور کرادیا تھا کہ اکبری عہد (الف ثانی) سے چونکہ بجائے قمر کے زحل کا عمل و دخل شروع ہو گیا ہے اس لئے عمر کی کمی جو دورہ قمر کا نتیجہ تھی اب نہ ہوگی، دورہ زحل کے متعلق خیال تھا کہ "مجدد اطوار و ادوار و مورث طول اعمار است"۔ الغرض پہلے تو موت ہی کے وجود کو ایک دور و دراز زمانہ تک ملتوی کر دیا گیا اور اس کے بعد بھی یقین دلایا گیا کہ

آیندہ بھی بادشاہ کی رُوح کسی ایسے ہی بادشاہ کی جون میں حلول کریگی جیساکہ وہ خود تھا۔ اِن باتوں نے تناسخ پر اس کے قدم کو راسخ کردیا تھا۔ مُلّا عبد القادر لکھتے ہیں کہ ایکدفعہ مہابھارت کے ترجمہ میں بیساختہ ایک قصہ کے ذکر میں میرے قلم سے یہ مصرعہ نکل گیا تھا کہ ع

ہر عمل اجرے و ہر کردہ جزائے دارد

بادشاہ نے جوقت یہ مصرعہ سُنا بگڑ گیا کہ (میرے اس مصرعہ کو

این معنی را حمل بر سُوال منکر نکیر و حشر و نشر و حساب میزان وغیر آن نمودہ مخالف قرار داد خویش کہ بغیر تناسخ ہیچ چیز قائل نیستم. (ص ۴۰۰)	بادشاہ نے منکر نکیر کے سوال، حشر و نشر، حساب و میزان وغیرہ کیطرف اشارہ خیال کیا اور انہی پر اس مصرعہ کو محمول کیا اور اسکو اپنے اس تناسخ کے عقیدہ کے مخالف قرار دیا جس کے سوا وہ کسی چیز کا قائل نہیں تھا۔

مُلّا بیچارے کی خیر نہیں تھی، بارے ترجمہ کے حیلے سے رہائی ملی۔ عقائد کے بھی دو اہم جزو تھے اور اکبر کا اس میں یہ حال تھا۔ یہ عقائد و عبادات تھے جو بادشاہ کرتا تھا۔ اور ستم ظریفی یہ تھی کہ باہمہ شرک اِس مذہب کا نام

"توحید الٰہی موسوم ساختند" (ص ۳۲۵)	"توحید الٰہی" کے نام سے اس مذہب کو موسوم کیا گیا تھا۔

مُریدوں سے باضابطہ اس دین میں داخل ہونے کی متعلق بیعت لیجاتی تھی سب سے پہلے جو کلمہ پڑھایا جاتا تھا جیساکہ مُلّا صاحب لکھتے ہیں:۔

قرار دادند کہ بکلمۂ لا الٰہ الا اللہ "اکبر خلیفۃ اللہ" علانیہ تکلیف نمایند (ص ۲۷۳)	حکم تھا کہ لا الٰہ الا اللہ کیساتھ اکبر خلیفۃ اللہ کہنے پر لوگوں کے ساتھ اصرار کیا جائے اور اس کلمہ کا انکو مکلف ٹھیرایا جائے۔

بلکہ اس قول سے تو معلوم ہوتا ہے کہ محض مریدوں ہی تک یہ بات محدود نہ تھی بلکہ عام رعایا کو بھی اس کے کہنے پر قانونی حیثیت سے مجبور کیا جاتا تھا۔

بہر حال جو لوگ اس دین میں باضابطہ داخل ہوتے تھے اُن کو گذشتہ بالا کلمہ کے ساتھ حسب ذیل معاہدہ نامہ کا اقرار کرنا پڑتا تھا۔ ملا صاحبؒ اس معاہدہ نامہ کو بجنسہ نقل کر دیا ہے:۔

منکہ فلان ابن فلان باشم بطوع و رغبت و شوق قلبی از دین اسلام مجازی و تقلیدی کہ از پدران دیدہ و شنیدہ بودم ابرار و تبرا نمودم و در دین الٰہی اکبر شاہی در آمدم و مراتب چہارگانۂ اخلاص کہ ترک مال و ترک جان و ناموس و دین باشد قبول کردم۔

منکہ فلاں ابن فلاں ہوں اپنی خواہش و رغبت اور دلی شوق کیساتھ دین اسلام مجازی اور تقلیدی جو باپ دادوں سے دیکھا اور سنا تھا اس سے علیحدگی اور جُدائی اختیار کرتا ہوں اور اکبر شاہی دین الٰہی میں داخل ہوتا ہوں اور اس دین کے اخلاص کے چاروں مرتبوں یعنی ترک مال، ترک جان، ترک ناموس و عزت، ترکِ دین کو قبول کرتا ہوں۔

جو لوگ اس دین میں داخل ہوئے تھے اُن کو "موافق اصطلاح جوگیاں چیلہ نامیدند" (ص۳۲۵)۔ اور خود یہ لوگ "جماعت را کہ مریدی گرفتند الٰہیاں مشہور بودند" (ص۲۹۹) (جس جماعت کو مرید کرتے تھے اُن کا نام الٰہی رکھتے تھے)

ان لوگوں کے لئے یہ دستور ٹھیرایا گیا تھا کہ:۔

اللہ اکبر عنوان نامہ ہائے قرار یافت، ص۳۲۱

اپنے خطوط کے سرناموں میں اللہ اکبر لکھا کریں نیز بجائے سلام کے:۔

مریداں چو ہمدگر ملاقات بگیرند یکے اللہ اکبر

مرید جب باہم ملتے جلتے تھے تو اُن میں ایک

دیگرے جلّ جلالہٗ گوید ص۳۵۶ | "اللہ اکبر" اور دوسرا جلّ جلالہٗ کہتا۔

مُرید کرنے کا طریقہ یہ تھا:۔

ہر دوازدہ نفر نوبت بنوبت و شَل شَل مُرید شدہ موافقت در شرب و مذہب می نمودند | بارہ بارہ آدمیوں کی ٹولی ٹولی نوبت بنوبت بادشاہ سے مُرید ہوتی اور مشرب و مذہب میں یہ لوگ موافقت اختیار کرتے۔

ان کو "شجرہ" بھی دیا جاتا تھا لیکن وہ شجرہ کیا ہوتا تھا، "حامیان تجدّد" کے لئے باعثِ رشک ہے، ہائے ؎

حریفاں بادہا خوردند و رفتند | تہی خم خانہ ہا کردند و رفتند

بجائے شجرہ شبیہے دادہ آن را علامت اخلاص و مقدمہ رشد و دولت می دانستند و در غلافے مرصع پیچیدہ بالائے دستاری گذاشتند ص۳۳۴ | شجرہ کی جگہ بادشاہ کی ایک تصویر مریدوں کو دی جاتی تھی۔ اس تصویر کو اخلاص کی علامت نیکنگی اور دولت و اقبال کا مقدمہ خیال کیا جاتا تھا، ایک

مرصع جواہر نگار غلاف میں اس تصویر کو رکھکر یہ لوگ اپنی اپنی دستاروں پر لگاتے تھے،

علاوہ ان معبودوں کے جنہیں پیر پوجتا تھا۔ مریدوں کے لئے خود بادشاہ کی عبادت بھی "دین جدید" کے اہم ارکان میں شمار کیجاتی تھی۔ اس عبادت کا خاص طریقہ تھا۔ مُلّا صاحب لکھتے ہیں:۔

ہر صباح ہر وقت عبادت شمس بجہروکہ تا طلعت مبارک نمی دیدند مسواک و طعام و آب برایشاں حرام بود و در ہر شبے صباح حاجتے | ہر صبح اُس وقت جبکہ بادشاہ جھروکہ میں آفتاب کی پوجا کرتا تھا اُن مریدوں کی جبتک بادشاہ کے مبارک چہرہ پر نظر نہ پڑتی تھی نہ تو یہ داتون

ونیاز مندے از ہندو مسلم وانواع طوائف مرد وزن صحیح و سقیم را آنجا بار عام بود دکارے طرفہ و ہنگامہ گرمی واز دحامے عظیمی و ہمیں کہ از تسبیح ہزار ویک نام نیر اعظم فارغ شدہ از حجاب برمی آمد ایں جماعت در سجود می افتادند (ص ۲۲۶)

کرتے تھے اور کھانا پانی اُنپر اسوقت تک حرام تھا رات ہی کے وقت سے، ہر شب میں حاجت و ضرورت والے خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان عورتوں مردوں میں سے اچھے بیمار سب ہی طرح کے لوگوں کو اس جگہ آنکی عام اجازت تھی جس کا نتیجہ تھا کہ ایک بڑا ہنگامہ ایک بڑا میلہ روز لگ جاتا تھا، بادشاہ جوں ہی آفتاب کے ایکہزار ایک نام کے وظیفہ سے فارغ ہوکر پردہ سے باہر آتا تھا سب ایکدفعہ سجدہ میں گر جاتے۔

الغرض بادشاہ تو ذرہ سے لیکر آفتاب تک ہر اُس چیز کا پجاری بن گیا تھا جسمیں نفع و ضرر کا پہلو کچھ بھی نمایاں ہوتا اور بادشاہ کے مُرید علاوہ ان معبودوں کے خود اپنے پیر کو بھی پوجتے تھے۔ اسی سجدہ کا نام "زمین بوس" رکھا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں تاج العارفین صاحب کا صوفیانہ اغوا بھی شریک تھا۔ یہ مولانا زکریا اجودھنی کے صاحبزادے تھے، اور نزہتہ الارواح جو تصوف کی مشہور کتاب ہے اس پر شرح بھی لکھی تھی آپ ہی نے بادشاہ کو "عین واجب" لااقل عکس واجب قرار دیکر

سجدہ برائے او تجویز کردہ آن را زمین بوس نامیدند و رعایت ادب بادشاہ را فرض عین شمردہ روئے او را کعبۂ مرادات و قبلۂ حاجات دانانیدند و بعضے روایات مرجوحہ و عمل مریدان مشائخ ہند را درین باب تمسک آوردند (ص ۲۵۹)

بادشاہ کیلئے سجدہ کو واجب قرار دیا اور اس کا نام زمین بوس رکھا گیا تھا۔ اور بادشاہ کے ادب کا خیال فرض ٹھہرایا گیا تھا اور بادشاہ ہی مقاصد و مرادوں کا کعبہ اور اس کے چہرہ کو قبلہ حاجات مقرر کیا گیا۔ بعض اور بعض کمزور روایتوں اور ہندوستان کے بعض

صوفیوں کے طرزِ عمل سے اس دعوی کو ثابت کیا جاتا تھا۔

"زمین بوس" کا یہی طریقہ تھا جو بعد میں بھی جاری رہا۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل کا زخم اسی مسئلہ کے منہ سے بالآخر پھوٹ پڑا تھا، جیسا کہ آیندہ ذکر آتا ہے۔ اکبری عہد میں عوام ہی نہیں بلکہ خواص علما بھی اس مشرکانہ فعل کے مرتکب ہوتے تھے۔ ملا صاحب نے ایک عالم کی تصویر زمین بوس کے وقت کی کھینچی ہے فرماتے ہیں کہ یہ مولوی دربار میں جو وقت حاضر ہوا۔ تو

گردن کسر کورنش کردہ تا دیرے دست بستہ چشم پوشیدہ ایستادہ ماند بعد از مدتے چون حکم نشستن فرمودند سجدہ بجا آوردہ و مانند اشتر لوک نشست (۲۴۷)	گردن ٹیڑھی کر کے کورنش بجا لایا اور دیر تک ہاتھ اور آنکھیں بند کئے کھڑا رہا دیر کے بعد جب اُس کو بیٹھنے کا حکم ملا تو فوراً سجدہ میں چلا گیا اور بے کینڈے اونٹ کی مانند بیٹھ گیا۔

یہ حال عقائد و عبادات کا تھا۔ ان کے سوا اور جو باتیں اس "دین" کے رسوم و عادات میں تھیں اُن کا افسانہ طویل ہے تاہم خروارے ایک ہی "مشت" پر کفایت کیجاتی ہے

سُود اور جوئے کی حِلّت

ملا صاحب لکھتے ہیں:۔

ربوا و قمار حلال شد و دیگر محرمات برین قیاس باید کرد و قمار خانہ در دربار بنا کردہ زرے بسود بقماران از خزانہ می دادند۔	سُود اور جُوا حلال کر دیا گیا تھا۔ اسی پر دوسری حرام چیزوں کو قیاس کر لینا چاہیئے، ایک "جوا گھر" خاص دربار میں بنایا گیا تھا اور جواریوں کو شاہی

خزانہ سے سودی قرض دیا جاتا تھا۔

شراب کی حِلّت

فتویٰ دیا گیا کہ:۔

شراب اگر بحیثیت رفاہت بدنی بطریق	شراب بدن کی اصلاح کیلئے طبی طور پر استعمال

اہل حکمت بخورند وفتنہ وفسادے ازاں نزاید مباح باشد بخلاف مستی معرکہ واجتماع و غوغا کہ اگر این چنیں یا فتند سیاست بلیغ نمودند

کی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس کے پینے سے کوئی فتنہ وفساد پیدا نہ ہو اس طرح شراب پینا جائز ہے، البتہ حد سے گذرا ہوا نشہ اور اسکی وجہ سے لوگوں کا جمع ہوکر شور وغوغا مچانا بادشاہ کو اگر اس کی خبر ہو جاتی تھی تو سخت دار وگیر کرتے تھے۔

اور جس طرح جوے اور سود کی حلت کی عملی شکل اختیار کی گئی تھی بادشاہ نے خود ہی

دوکان شراب نوشی بر دربار باہتمام خاتون دربان کہ از نسل خمارات برپا کردہ نرخے معین نہادند۔

ایک دکان شراب فروشی کی بھی دربار ہی کے پاس دربان عورت جو شراب فروشوں کی نسل سے تھی اُس کے اہتمام میں قائم کی تھی اور اس کے نرخ بھی خود ہی مقرر کئے تھے۔

گویا محکمۂ "آبکاری" کی ہندوستان میں یہ پہلی بنیاد تھی۔ شراب کے مسئلہ میں بادشاہ کو جس قدر غلو تھا اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ:۔

درمجالس نوروزی اکثر علما وصلحا بلکہ قاضی ومفتی را نیز در وادی قدح نوشی آوردند۔

نوروز کی مجلسوں میں اکثر علما وصلحا بلکہ قاضی ومفتی تک شراب نوشی کے میدان میں اتار جاتے تھے

"نشاط" کی اس مجلس میں مختلف لوگوں کے نام سے جام تجویز کئے جاتے تھے۔ ملا صاحب لکھتے ہیں:۔

ملک الشعراء (فیضی) مے گفتند کہ این پیالہ بکوری فقہا می خوریم۔

کہ ملک الشعراء (فیضی) فرمایا کرتے تھے کہ یہ پیالہ میں فقہا کے "اندھاپن" کے نام سے پیتا ہوں۔

ڈاڑھی کی دُرگت شراب کی حلت کے بعد "دینِ الٰہی" میں سب سے زیادہ زور جس چیز پر دیا جاتا تھا وہ ریش تراشی کا مسئلہ تھا۔ مُلا صاحب کا بیان ہے کہ ابتداءً ڈاڑھی منڈانے کا خیال "دختران راجہائے عظیم" کی بدولت پیدا ہوا۔ پھر کیا تھا! اس خیال کی تائید میں عقلی و نقلی دونوں قسم کے دلائل کا دریا بہا دیا گیا۔ عقلی دلائل میں دلچسپ دلیل تو یہ تھی کہ

ریش از خصیتین آب میخورد لہٰذا ہیچ خواجہ سرائے ریش ندارد و در نگاہداشتن او چہ ثواب

ڈاڑھی کے بال کی سیرابی چونکہ خصیتین سے ہوتی ہے لہٰذا کوئی خواجہ سرائے داڑھی نہ رکھے اس کے رکھنے میں کیا ثواب ہوسکتا ہے۔

اور نقلی دلائل جو اس سلسلہ میں پیش کئے گئے، ان میں بعض سننے کے قابل ہیں ان ہی سے دوسری دلیلوں کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے، فقہ کی کسی کتاب میں لکھا ہوا تھا کہ ڈاڑھی کو اس طرح نہیں ترشوانا چاہیئے جس طرح عراق کے بعض اوباش کرتے ہیں، اوباش کا ترجمہ عربی میں عُصاۃ سے کیا گیا تھا ہندو مسلمانوں کی صورتوں کو واحد نقطہ پر جمع کرنے کی کوشش میں ایک مولوی صاحب نے عین کو قاف بنا دیا اور شاہی دربار میں اُنہوں نے عبارت اس شکل میں پیش کی۔

کما یفعله قضاۃ العراق — جس طرح عراق کے قاضی منڈایا کرتے ہیں۔

دلیل یہ تھی کہ جب عراق کے قاضی داڑھی منڈاتے تھے تو ہندوستان کے کیوں نہ منڈائیں۔ مُلا ابوسعید پانی پتی جو مُلا امان کے بھتیجے تھے، اُن کے پُرانے سودوں سے ایک حدیث بھی بارگاہ شاہی میں گذرانی گئی تھی جس کا ترجمہ مُلا صاحب نے یہ درج کیا ہے:۔

پسر صحابی مو ترش در نظر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آمد فرمودند کہ اہل بہشت باین ہیئت

ایک صحابی کے صاحبزادے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گذرے حضورؐ نے فرمایا کہ بہشت والوں کی

خواہند بود ص۲۰۸ یہی صورت ہوگی۔

آخر میں ریش تراشی کے معاملہ میں اکبر کا جنون اس حد کو بڑھ گیا تھا کہ "ریش تراشی بکلاش یکردند"۔ بیچارے ملّا صاحب نے اس کی تاریخ بھی لکھی ؎

بگفتہ ریشہا برباد دادہ مفسدے چند

دربار اکبری کے بڑے بڑے فضلاء و علماء، روزمرہ اپنی اپنی ڈاڑھیاں بادشاہ کے قدموں پر نثار کرتے تھے۔

غسل جنابت ایک مسئلہ اس "دین جدید" کا یہ بھی تھا۔

فرضیت غسل جنابت مطلقاً ساقط شد کہ تخم آفرینش نیکان است بلکہ مناسب آنست کہ اول غسل کنند بعد ازاں جماع

ناپاکی وجہ سے غسل کے فرض ہونے کا مسئلہ منسوخ کردیا گیا اسلئے کہ منی نیک لوگوں کی پیدائش کا تخم ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ پہلے آدمی غسل کرے بعد اس کے ہمبستر ہو۔

قانون نکاح اور سارد ا ایکٹ نکاح کے متعلق چند جدید قوانین نافذ کئے گئے ایک تو یہ کہ دختر عم و خال را نکاح نکنند کہ میل کم شود۔ اور اسی کے ساتھ یہ قانون بھی بنایا گیا کہ

پسر را پیشتر از شانزدہ سالگی و دختر را از چہاردہ سالگی نکاح روا نباشد کہ فرزند ضعیف می شود

سولہ سال سے پہلے لڑکوں کا اور چودہ سال سے پہلے لڑکیوں کا نکاح جائز نہ ہوگا اس لئے کہ بچے کمزور پیدا ہوتے ہیں۔

گویا سارد ا ایکٹ کا نفاذ بھی اسی زمانہ میں ہوگیا تھا۔ ملا صاحب نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کو عذر میں پیش کیا تھا غنیمت ہے کہ اکبر نے صرف واقعہ کے انکار پر قناعت کی جیسا کہ لکھتے ہیں۔

قصۂ زفاف صلی اللہ علیہ وسلم با صدیقہ را مطلق منکر بودند	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیقہ رض کی رخصتی کے بالکل منکر تھا (یعنی عمر کی مشہور روایت علماء ہے)

نکاح ہی کے سلسلہ کا ایک قانون یہ بھی تھا کہ "بیشتر از یک زن نکاح نکنند" گویا تعدد ازدواج کا قصہ اُسی وقت اُٹھ چکا تھا دلیل میں کہا جاتا کہ "خدا یکے و زن یکے" یہ بھی حکم تھا کہ آئسہ عورت (جس کے ایام بند ہوں) نکاح نہیں کر سکتی۔ اسی طرح ایسی عورت جو مرد سے بارہ سال بڑی ہو، مرد اس کے ساتھ ہم بستری نہیں کر سکتا۔ سارداایکٹ کی پیچیدگیاں ابھی تک سامنے نہیں ہیں۔ چونکہ اس دور میں ابھی اس پر پورا عمل نہیں ہوا ہے، ورنہ اکبر کے عہد میں اس کا جو انجام ہوا تھا۔ ملا صاحب بیان کرتے ہیں کہ چونکہ حکم یہ تھا کہ جبتک لڑکا اور لڑکی کا کوتوالی میں معائنہ نہ کرا لیا جائے اور عمر کا صداقت نامہ حاصل نکر لیا جائے اُن کا نکاح نہیں ہو سکتا، نتیجہ یہ ہوا کہ

باین تقریب خیلے منافع و فوائد بعہدہ داران خصوصاً کسان کوتوال و خالوئے کلال و سائر عوانان از وال بیروں از وہم و خیال عاید گردید ص۳۹۱	اس ذریعہ سے عہدہ داروں کو کمانے کا خوب موقع ملا خصوصاً کوتوال اور خالوئے کلال کے آدمیوں اور اُن کے دوسرے مددگاروں اور

ماتحتوں کو جو عموماً کمینے ہوتے ہیں اُن کو اس قانون سے جو نفع پہونچا اس کا اندازہ حدِ وہم خیال سے باہر ہے۔

<u>پردہ</u> ملا صاحب کی اس عبارت سے

زنے جوانے کہ در کوچہ و بازارے گردیدہ باشد دران حال یا رو نپوشد یا روگشادہ گردد	جوان عورتیں جو کوچہ و بازار میں نکلتی ہیں باہر نکلنے کے وقت چاہیے کہ چہرہ یا ڈھکا رکھیں یا چہرہ کو کھول دیا کریں اگر برقعہ وغیرہ ہو۔

معلوم ہوتا ہے کہ شاید قانوناً پردہ بھی اُٹھا دیا گیا تھا۔ گویا وہ ساری "روشن خیالیاں" اور جدت طرازیاں جن پر "عہد جدید" کو ناز ہے، نہایت افسوسناک سانحہ ہے کہ تقریباً ان میں سے اکثر روشنی جدید نہیں بلکہ قدیم ہے۔ کاش اس کی کہنگی و قدامت ہی ان لوگوں کے چونکنے کا ذریعہ بن جائے۔

زنا کی تنظیم نکاح کے قوانین میں ان ترمیموں کے سوا عہد اکبری میں بعض علمائے فقہ حنفی کی رو سے "جواز متعہ" کا فتویٰ بھی صادر کیا تھا جس کا قصہ طویل ہے بعضوں نے تو اکبر کے "الحاد" کا نقطہ آغاز اسی مسئلہ کو قرار دیا ہے۔ بعض مولویوں نے بجائے چار کے اکبر کے کانوں تک یہ بھی پہونچا یا تھا کہ بعض مجتہدین (نو) اور بعض اس سے بھی زیادہ بیویوں کے قائل ہوئے ہیں لیکن یہ باتیں اسوقت کی ہیں جبتک ان مولویوں کو "فقیہ کور" کا خطاب نہ ملا تھا۔ "دین الہیٰ" کی تدوین کے بعد تو آپ دیکھ چکے کہ ایک سے زائد تک کی حرمت کا قانون بن گیا تھا۔ البتہ بانجھ ہونے کی صورت میں دوسری بیوی کی اجازت تھی، ایک طرف تو یہ حال تھا، دوسری طرف بغیر نکاح و متعہ کے بھی اس فعل کی اجازت ہوگئی تھی، گویا قانوناً زنا حرام نہ تھا۔ صرف اُس کو منظم کرنیکے لئے ایک دستور بنا دیا گیا تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں :-

از شہر بیروں آبادان ساختند و آن را شیطان پورہ نامیدند و آنجا نیز محافظ و مشرف و داروغہ نصب کردند تا ہر کہ بآن جماعت صحبت دارد یا بخانہ برد اول نام و نسب خود بنویساند آن گاہ باتفاق تمغا چیان ملوم ہر چہ خواہد کند۔

شہر سے باہر آبادی بنائی گئی اور اس کا نام شیطان پورہ رکھا گیا وہاں باضابطہ محافظ نگران، داروغہ مقرر تھے۔ تاکہ جوان سے ۔۔۔۔ یا گھر لیجانا چاہے اپنا نام و نسب لکھوائے اور ان ملازموں کے اتفاق سے ۔۔۔۔ جو چاہے کرے۔

اس سے بھی زیادہ پرلطف قانون کا یہ حصہ تھا کہ :-

اگر کسے خواہد کہ بکارت آنہا ببرد اگر خواستگار از مقربان نامی است داروغہ بعرض رسانیدہ رخصت از درگاہ بگیرد والانہ ، بادشاہ کو اس مسئلہ سے اتنی دلچسپی تھی کہ :- پنہانی تحقیق می نمودند کہ بکارت آنہا کہ بردہ باشد" بیربر کے متعلق اس سلسلہ میں بادشاہ تک یہ خبر پہنچائی گئی کہ " از بنات ہم نمی گذشت" مگر شدت محبت سے بادشاہ نے اس کے قصور کو معاف کر دیا۔

رسم ختنہ حالانکہ دین جدید سے پہلے اکبر نے اپنے شاہزادوں کی خود ختنہ کرائی تھی۔ ملا صاحب نے اس کو بھی نقل کیا ہے، لیکن "ہندو مسلم" کے رفع خلاف کا جب شوق پیدا ہوا تو اسلام کے ایسے اہم "شعار" کے متعلق یہ قانون نافذ کیا گیا کہ :-

ختنہ پیش از دواز دہ سالگی نہ کنند	بارہ سال سے پیشتر لڑکوں کا ختنہ نکرایا جائے
بعد ازاں اختیار دادہ خواہ کند یا نکند	بارہ سال کی عمر کے بعد لڑکے کو اختیار ہوگا
ص ۳۷۶	چاہے کرے چاہے نہ کرے۔

ظاہر ہے کہ بارہ ۱۲ سال کی عمر کے بعد مشکل ہی سے کوئی اس اذیت کے برداشت کرنے کیلئے آمادہ ہو سکتا ہے، خصوصاً جب سلطنت کی جانب سے اسکی ہمت شکنی بھی ہوتی رہو۔ گویا "سنت ختنہ" کے مٹانے کی ایک مخفی تدبیر تھی۔

میت دین الٰہی میں داخل ہونے والوں کے لئے مرنیکے بعد یہ حکم دیا گیا۔ کہ

پارہ از غلہ خام و خشت پختہ برگردنش	خام غلہ اور پکی اینٹیں مردہ کی گردن میں باندھکر
بستہ در آب سر دہند و بجائے کہ آب نباشد	اسکو پانی میں ڈالدیا جائے اگر پانی نہو تو جلا دیا
بسوزند یا بطور خطائیاں بر درختے بر بندند	جائے یا چینیونکی طرح سے کسی درخت سے مردہ کو باندھ دیا جائے۔

شاید ڈبونے یا جلانے لٹکانے کا حکم بعد کو ہوا ورنہ اس کے پہلے جو حکم تھا اس
میں دفن کی مخالفت نہیں کی گئی تھی۔ البتہ اتنی ترمیم اس میں بھی تھی کہ

سر مردہ بجانب شرق و پائے آن بجانب مغرب دفن کنند۔ ص۳۵۷	مردہ کا سر شرق کی جانب اور پاؤں مغرب کی جانب رکھکر اس کو دفن کیا جائے۔

سلطان خواجہ کہ مریدان خاص میں سے تھا، جب مرا ہے تو اکبر نے علاوہ سمت
مذکورہ بالا کے ایک حرکت یہ بھی کی تھی کہ اسکی قبر میں ایک کھڑکی بنا دی گئی تھی۔

مقابل نیر اعظم گذاشتند تا فروغ آن کہ پاک کنندہ گناہاں است ہر صباح بر رویش افتد۔	آفتاب کے رُخ پر ایک کھڑکی بنا دی تھی تاکہ اسکی روشنی جو گناہوں سے پاک کرنیوالی ہے ہر صبح اُس کے چہرہ پر پڑتی رہے۔

مُلا صاحب لکھتے ہیں کہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ

بر دہانش زبانہ آتش نیز رسانیدہ بودند ص۲۱۴	اسکے منہ پر آگ کا انگارہ بھی لگا دیا گیا تھا۔

یہ تھا وہ دین جس میں ہندوستان کے باشندوں کا تعلق بیرون ہند سے
توڑ لیا گیا تھا اور ٹھیک جس سمت کعبہ ہے مردہ کی ٹانگ اُسی جانب رکھی جاتی تھی۔
ضد کی یہ حد تھی کہ :-

خواب رفتن خود را نیز بہمیں ہیأت قرار دادند ص۳۵۷	سونے کے وقت بادشاہ اسی ہیئت کیسا تھ سوتے تھے (یعنی ٹھیک بجانب قبلہ پاؤں کرتا تھا)۔

کہاں تک لکھا جائے، ایک جزء ہو، دو جزء ہو۔ اس نے تو ابتدار زندگی سے
آخر زندگی تک کے سارے قوانین کو الٹ پلٹ دیا تھا، مُلا صاحب کے بیان سے معلوم
ہوتا ہے کہ علاوہ مذکورہ بالا چیزوں کے سونے۔ ریشم کو مردوں کیلئے نہ صرف حلال بلکہ

قریب قریب وجوب کی حد تک پہونچا دیا گیا تھا۔ عموماً اس زمانہ کے وہی علماء جنھوں نے اس "ہندی دین" کو قبول کر لیا تھا یا اس کے حامی تھے وہ ریشمین کپڑے پہنتے تھے اور خدا کے اس باغی کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ آج بھی کتنے ہیں جنہیں الٰہی احکام کی اتنی قطعاً پروا نہیں ہے جتنی کہ خدا کے بعض دشمنوں کی ہے۔ اسی طرح سور و کتے کو پاک قرار دیا گیا تھا۔ نہ صرف پاک بلکہ :-

بزعم اسلام خنزیر و کلاب را از نجس بودن باز ماند درون حرم و زیر قصر نگاہداشتہ ہر صباح نظر بران عبادت می شمردند۔

اسلام کے توڑ پر سؤر اور کتے کے ناپاک ہونے کا مسئلہ منسوخ قرار دیا گیا اور شاہی محل کے نیچے یہ دونوں ناپاک (جانور) رکھے جاتے تھے۔ صبح سویرے اس کے دیکھنے کو بادشاہ عبادت خیال کرتا تھا۔

اس سلسلہ میں اکبری عہد کے ایک عالم (فیضی) کا قصہ تو ملا صاحب نے یہاں تک نقل کیا ہے۔

چند سگ را در سفر ہمراہ گرفتہ طعام باآنہا می خورند و بعضے شعرا زبان سگان در دہان می گرفتند۔

چند کتوں کو سفر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے اور ان ہی کتوں کیساتھ کھانا کھاتے تھے بعض شاعر تو کتوں کی زبان بھی اپنے منہ میں لیتے تھے۔

یہ تھا اُس دین کا "اجمالی نقشہ" جس میں سارے مذاہب کو ایک نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، کس قدر عجب ہے کہ اسلام اور اسلامی احکام کے سوا اور کسی مذہب کے کسی جزو کو ان لوگوں کی عقل نہ رد کرتی تھی نہ اس میں خرابی نظر آتی تھی، حالانکہ اسلام کے ساتھ جہاں اُن کا یہ برتاؤ تھا اسی کے ساتھ دوسرے مذاہب اور اُن کے رسوم کے ساتھ اُن کے تعلقات کی نوعیت یہ تھی، سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ آخر ان باتوں کو ان کی عقلیں کس طرح تسلیم کر لیتی تھیں مثلاً

یہی عقلی بادشاہ تھا جو اپنے ہاتھ میں راکھی کے نام سے بخوشی لتہ باندھتا تھا۔ نیز

درروز عید ہشتم سنبلہ برہم اہل ہند قشقہ کشیدہ بردر دولت خانہ برآمدند وریسمانے جواہر دراں کشیدہ از دست براہمہ بہ تبرک گرفتہ بر دست بستند

۸ سنبلہ کو جو تیوہار پڑتا تھا، اہل ہند کی رسم کے مطابق بادشاہ قشقہ لگا کر برآمدہ پر بیٹھے تھے، اور ایک دوڑی جس میں جواہرات پروئے ہوتے اسکو برہمنوں کے ہاتھ سے لیکر بطور تبرک اپنے ہاتھ پر باندھتے تھے۔

دوسروں کے متعلق حسن ظنی کا یہ حال تھا کہ شیوراتری میں رات رات بھر جوگیوں کے ساتھ جاگا جاتا تھا۔ کہ "سہ چہار بار از عمر طبیعی زیادہ باشد" لیکن اسلام کا کوئی جزء قابل انتخاب و پسندیدگی نہ تھا۔ ایک طرف شیر اور بھیڑیے کے گوشت کی حلت کا فتوی دیا جاتا تھا کہ اس سے بہادری پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف حکم

تحریم گوشت گاؤ وگاؤمیش واسپ و میش وشتر بود

گائے، بھینس، گھوڑا، بھیڑ، اونٹ کا گوشت حرام تھا۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ایک قانون تھا کہ:

اگر کسے با شخصے کہ ذبح جانور پیشہ او شدہ باشد طعام بخورد دست او برند واگر اہل خانہ او بود انگشت اکل قطع نمایند ص ۲۷۶

جو آدمی اس شخص کے ساتھ کھانا کھائے جسکا پیشہ ذبح کرنے کا ہے تو اس کھانے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے حتی کہ اگر اسکی بیوی بھی اس کے ساتھ کھائے تو کھانیکی انگلیاں اسکی بھی تراش لیجائیں۔

جس کے دوسرے معنی یہی تھے کہ ہندوستان سے "لحمی غذاؤں" کو ہمیشہ کے لئے منہدم کر دینے کا ارادہ کرلیا گیا تھا۔ اور کون جانتا ہے کہ جب قدیم ہندی "قومیت" کی تعمیر اس تقدیر اگر ختم ہوئی ہی حالانکہ اسکی تعمیر میں ایک ایسے شخص کا ہاتھ تھا جو اگر کچھ نہیں تو نشتینی

مسلمان ضرور تھا۔ مسلمان ماں اور باپ سے پیدا ہوا تھا۔ لیکن کیا حال ہوگا اُس تحریک کا جس کی تحریک اُن ہاتھوں سے شروع ہوئی ہے جو صدیوں سے اپنے سینوں کو انتقامی جذبات کی بھٹی بنائے ہوئے ہیں، بلاشبہ اسوقت بھی کہا یہی جاتا تھا کہ کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح نہ ہوگی لیکن جو کچھ کیا جاتا تھا وہ آپ دیکھ چکے حد تو یہ ہے کہ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ منجملہ "دین جدید" کے قانونوں کے ایک قانون یہ بھی تھا

زنے ہندو اگر بر مسلمانے فریفتہ شدہ در دین مسلمانان درآید جبراً و قہراً گرفتہ باہل او سپارند صـ۲۹۲

کوئی ہندو عورت اگر کسی مسلمان مرد پر فریفتہ ہو کر مسلمانوں کا مذہب اختیار کرے تو اس عورت کو جبراً و قہراً اُس کے گھر کے لوگوں کے سپرد کر دیا جائے

خیر یہ تو ملا صاحب کی شہادت ہے۔ لیکن کیا کوئی اس شہادت کو بھی جھٹلا سکتا ہے

کفار ہند بے تحاشا ہدم مساجد می نمایند و آنجا تعمیر معبد ہائے خود می سازند و نیز کفار برملا مراسم کفر بجا می آرند و مسلمانان در اجرائے اکثر احکام اسلام عاجز اند (مکتوبات مجدد الف ثانی صـ۱۶۲ جلد ۲)

ہندوستان کے کفار بے تحاشا مسجدوں کو ڈھاتے ہیں اور اُن کی جگہ اپنے مندر بناتے ہیں اسی طرح کفار علانیہ کفر کے رسوم انجام دیتے ہیں لیکن مسلمان اکثر احکام اسلام بجا لانے سے مجبور ہیں

یہ اکبری نہیں بلکہ جہانگیری عہد کے ابتداء کے زمانہ کی رپورٹ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے۔ اور یہ باتیں تو وہ تھیں جن کا تعلق براہ راست مذہب سے ہے "الف دوم" میں تجدد کا جو علم ہندوستان میں لہرایا گیا اس میں مسلمانوں کے تمدنی و تہذیبی اجزاء کی کیا حیثیت باقی رہی؟ مضمون کو ختم کرتے جی چاہتا ہے کہ درد کے ان پھپھولوں کو بھی پھوڑ لیا جائے۔ دعویٰ کیا گیا تھا کہ سب کو ایک نگاہ سے دیکھا جائیگا لیکن کیا کیا گیا یا کرایا گیا؟۔

ملا صاحب اکبر کی زبانی نقل فرماتے ہیں ایک دن اُس نے مجمع کو مخاطب کر کے اپنی رائے ظاہر کی:-

اکنون کتابہائے ہندی را کہ دانایان مرتاض عابد نوشتہ اند و ہمہ صحیح و نص قاطع است و مدار دین و اعتقادیات و عبادات این طائفہ برآنست ترجمہ از ہندی بزبان فارسی فرمودہ چرا بنام خود نہ سازیم کہ غیر مکرر و تازہ است و ہمہ متمم سعادت دنیوی و دینی و منتج حشمت و شوکت بے زوال و مستوجب کثرت اموال و اولاد ست ص۳۲

اب ہندی زبان کی کتابیں جو ہندوستان کے مرتاض و عابد دانشمندوں کی تصنیفات ہیں یہ سب صحیح اور بالکل یقینی علوم پر حاوی ہیں اس گروہ (ہندوؤں) کے اعتقادات و عبادات کا سارا دارومدار انہی کتابوں پر ہے ہیں کیوں نہیں ان کتابوں کے ترجمے ہندی سے فارسی زبان میں اپنے نام سے کراؤں کہ یہ ایسی کتابیں ہونگی جو فارسی میں مکرر مضمون والی نہونگی بلکہ تازہ معلومات ہوں گے اور ان سے دینی و دنیوی سعادت فتح و شوکت حشمت بے زوال کے نتائج حاصل ہوں گے اور کثرت مال و اولاد کے یہ ذریعہ ہوں گی۔

اس کے بعد دفتر قائم کر دیا گیا، علما مقرر ہوئے جو ان کتابوں کی اشاعت کا دائرہ وسیع کرنے کیلئے فارسی زبان میں ان کو منتقل کر رہے تھے لیکن ٹھیک اسی کے مقابلہ میں:-

عربی خواندن و دانستن آن عیب شدہ و فقہ و تفسیر و حدیث و خوانندہ آن مطعون و مردود

عربی پڑھنا، عربی جاننا عیب قرار دیا گیا اور فقہ و تفسیر و حدیث کے پڑھنے والے مردود و مطعون ٹھہرائے گئے

اور ان علوم کی جگہ نجوم و حکمت و طب و حساب و شعر و تاریخ و افسانہ رائج و مفروض گویا مذہبی علوم اور دینیات کی سرپرستی جو اب تک حکومت کا شیوہ تھا، یہ سرپرستی اٹھالی گئی، اور اکبری دور کے مدارس میں مضامین فنون و سائنس کی حوصلہ افزائی کی گئی لیکن یہ بھی چند

دنوں کی بات تھی، آخری فرمان وہی تھا جس کی توقع اس کے بعد ہونی چاہیئے۔

مُلّا صاحب لکھتے ہیں:۔

درین سال حکم شد کہ ہر قوم ترک علوم عربیہ نمودہ غیر از علوم غریبہ از نجوم و حساب و طب و فلسفہ نخوانند ص۳۶۳	اسی سال فرمان صادر ہوا کہ ہر قوم علوم عربیہ کو چھوڑ کر صرف علوم نادرہ و غریبہ یعنی نجوم و طب حساب و فلسفہ پڑھا کریں۔

پھر اس کے بعد کیا ہوا۔ مُلّا صاحب بیچارے اسلامی علوم کے اس مقتل کو دیکھتے ہیں اور روتے ہیں۔

مساجد و مدارس مدروس علماء اکثرے جلا وطن شدند و اولاد نا قابل ایشان کہ بماند برور بہ پاجی گیری نام برآوردند ص۲۷۴	مدرسے اور مسجدیں سب ویران ہیں اکثر اہلِ علم جلا وطن ہوگئے ان کی اولاد نا قابل جو اس ملک میں رہ گئی ہے "پاجی گیری" میں نام پیدا کر رہی ہے۔

آخر میں ان دو شعروں میں ان کا نوحہ ختم ہوتا ہے:۔

مدارس از علما آن چنان بود خالی ۔۔۔ کہ ماہ روزہ زمے خوار خانۂ خمار

برند تختۂ لوح ادیب از پے نرد ۔۔۔ کنند مصحف قاری گرو بوجہ قمار

اور معاملہ اسی پر بس نہیں ہوتا ہے، یہ تو غنیمت ہے کہ اسوقت تک ہندوستان کی زبان سے عربی الفاظ کی جلا وطنی کی تحریک کا آغاز نہیں ہوا تھا، اگرچہ اکبر کا رجحان طبع ادہر معلوم ہوتا ہے۔ عموماً چیزوں کے نام رکھنے میں وہ ہندی ترکیبوں کو زیادہ پسند کرتا تھا مثلاً انوپ تلاؤ، نتھ پول، چین نگر، پیر پرشاد ہاتھی کا نام وغیرہ اس کے رجحانات کا پتہ دیتے ہیں لیکن کھل کر ابھی دماغ میں اسکے یہ تجویز نہیں آئی تھی، تاہم اسی کے قریب قریب ایک چیز اس کے زمانہ میں بھی پائی جاتی تھی یعنی روزمرہ کی بولی میں بجائے

عربی الفاظ کے نکالنے کے وہ عربی حروف کو ہندوستان کی عام زبان سے نکالنا چاہتا تھا۔ مُلّا صاحب لکھتے ہیں :۔

وحروف خاصہ زبان عرب مثل ثا، حا، عین صاد، ضاد، طا و ظا از تلفظ برطرف ساختند ص۳۰۷

ایسے حروف جو عربی زبان کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً ث، ح، ع ، ص، ض، ط ظ کو بول چال سے بادشاہ نے باہر کردیا۔

اور اس پر عمل کرنے کی یہ صورت نکالی گئی تھی کہ :۔

عبداللہ را ابداللہ، و احدی را اہدی و امثالِ آن دیگری گفتند خوش می داشتند

عبداللہ کو ابداللہ۔ احدی کو اہدی اور ازیں قبیل الفاظ کو بگاڑ کر کوئی بولتا تو بادشاہ بہت خوش ہوتے تھے۔

لیکن یہ خدا کی غیبی تائید تھی کہ اس کوشش کا دائرہ صرف بول چال ہی تک محدود رہا۔ ورنہ اگر خدانخواستہ لکھنے پڑھنے میں بھی اس طریقہ کو داخل کردیا جاتا تو آج اسلاف کی محنتوں تک کیا ہماری رسائی ہوسکتی تھی، اور وہ کوشش جو اُردو ہندی کے نام سے آج جاری ہے اس کا مقصد اس کے سوا اور بھی کچھ ہے کہ قرآن پڑھنے والی اُمت کو قرآنی الفاظ و حروف سے جتنی دور تک دھکیلا جاسکتا ہو دھکیل دیا جائے۔ اسلامی علوم کی بربادی کا ایک سامان تو یہ تھا، اسی کے ساتھ آہستہ آہستہ اس دور میں علما و مشائخ، ائمہ و خطبا کے نام کی جو جاگیریں صدیوں سے چلی آتی تھیں اُن پر دست اندازی کی گئی۔ اور جیسا کہ ملّا صاحب لکھتے ہیں۔ کہ

مدرس ہدایہ کتب منتہیانہ مثلاً ہنا تش تا صد بیگہ کم و بیش بود

ہدایہ جیسی انتہائی کتابوں کے پڑھانے والوں کو کم و بیش سو بیگہ کی جاگیر آخری حد تھی

اور یہ تو ابتدائی زمانہ میں ملا عبدالنبی کے ہاتھ عمل میں آیا۔ آخر میں تو جیسا کہ خود حضرت مجدد صاحبؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے:-

از جملہ شعائر اسلام تعین قضاۃ است در بلاد اسلام کہ در قرن سابق محو شدہ بود (مکتوب ۱۹۵ ج ۱)

اسلام کے منجملہ دوسرے شعاروں کے اسلامی آبادیوں میں قاضیوں کا تقرر ہے جو قرن سابق (عہد اکبری) میں مٹا دیا گیا تھا۔

یہ تھی اس "صلح کل" مشرب کی حقیقت جس کا ڈھنڈورا اس زور سے پیٹا جا رہا ہے "خلق در آسایش بود" طباطبائی کے اس جملہ کا مطلب اب کھلتا ہے۔ واقعہ ہے کہ اس انقلاب کے بعد بقول حضرت مجدد رح

غربت اسلام نزدیک بیک قرن بہیچے قرار یافتہ است کہ اہل کفر بمجرد اجرائے احکام کفریہ بر ملا در بلاد اسلام راضی نمی شوند، میخواہند کہ احکام اسلام بالکلیہ زائل گردند و اثرے از مسلمانان و مسلمانی پیدا نہ شود کار با آں سرحد رسانیدہ اند کہ اگر مسلمانے از شعائر اسلام اظہار نماید بہ قتل می رسد (ص۱۰۶)

ایک قرن میں اسلام کی غربت اس درجہ کو پہنچی تھی کہ اہل کفر اس پر راضی نہیں ہیں کہ محض کفر کے احکام کا علانیہ اسلامی بلاد میں اجراء ہو جائے، وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکلیہ مٹا دیے جائیں اور اسلام و مسلمانی کا کوئی اثر باقی نہ رہے، بات یہاں تک پہونچائی گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلام کے کسی شعار کا اظہار کرتا ہے تو اس کو قتل کے انجام تک پہونچا دیا جاتا ہے۔

یہ تھا اسلام کا حال جہانگیر کے ابتدائی عہد میں، پھر اکبر کے زمانہ میں جو کچھ ہوگا ظاہر ہے، اس کے بعد اندازہ ہو سکتا ہے کہ اکبر و جہانگیر کے بعد واقعی عدل و حقیقی رواداری کے ساتھ جن مسلمان بادشاہوں نے حکومت کی، اُن پر تعصب اور شدید تعصب کا

الزام کیوں لگایا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاں ایسی یک طرفہ خواہش عمل کر رہی ہو اگر اس ملک میں کسی غیر کے ساتھ کچھ بھی اچھا سلوک کیا جائیگا، اس کا نام تعصب ہی رکھا جاسکتا ہے ورنہ شاہجہان اور عالمگیر کے ایام حکومت میں کیا اکبری قوانین کے مقابلہ میں کوئی ایک قانون بھی ایسا پیش کر سکتا ہے جس کا اثر ملک کے دوسرے طبقوں پر وہی پڑ رہا ہو جو اکبر کے کرتوتوں سے سُنّی مسلمانوں پر پڑ رہا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ "الف ثانی" کی فرضی تحریک کی باگ جن پوشیدہ ہاتھوں میں تھی ان میں ایک بڑا طبقہ اُن لوگوں کا تھا جو مسلمانوں کے سوائے ہندوستان کے عام باشندوں کے ساتھ بھی رواداری کرنا نہیں چاہتا تھا۔ آخر اکبر نے مسلمانوں کے علوم کے انسداد کے بعد جو یہ فرمان نکلوایا گیا تھا کہ

ارا ذل را از خواندن علم در شہر ہا مانع آیند کہ فساد ہا ازیں قوم می خیزد (ص ۳۵۶)	کمینہ قوم کے لوگوں کو علم کے پڑھنے سے شہروں میں روکا جائے کہ اس قوم سے فساد پیدا ہوتا ہے۔

بجز اُن شودروں کے اس کا اور کون نشانہ تھا جن کے کان میں علم سننے کے گناہ میں سیسہ پلوایا جاتا تھا اور خدا ہی جانتا ہے کہ ہندوستان کی کون کون سی "ملکش" قومیں ارذل کے تحت میں داخل تھیں

(۲)

علماء سُوء کا فتنہ

اگرچہ اکبر کی شخصیت کو اس فتنہ میں بہت کچھ دخل ہے مگر چونکہ بیرونی[1] اور اندرونی علماء سُوء ہر زمانہ میں صداقت کی آواز کے لئے سخت ترین فتنہ رہے ہیں، اور اکبری فتنہ ختم ہونے کے بعد بھی ان دجّالوں کا فتنہ نئے نئے بھیس بدل کر ظاہر ہوتا رہا ہے

---

[1] بیرونی علماء مثلاً شیعہ مجتہدین یا پنڈت یا پادری ۱۲

(جیسا کہ انشاء اللہ آیندہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے) - اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس فتنہ کو مستقل باب کی شکل میں پیش کیا جائے [1]

اِس باب کے ختم ہونے پر اُن سوالات کا جواب بھی ناظرین کرام کے سامنے آجائیگا کہ جن کو فتنہ اکبری کی تمہید میں ہم نے پیش کیا ہے جس کے ختم پر غلام حسین صاحب طباطبائی مؤلف سیر المتاخرین کی عبارت پیش کی گئی تھی۔

کیا اکبر ابتداء سے زندیق تھا نہایت افسوس کے ساتھ اس تلخ حقیقت کو ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ "غریب اکبر" درصل ابتداء میں اکبر نہ تھا۔ یہی ملا عبدالقادر جن کے حوالہ سے اس مضمون کو مرتب کیا گیا ہے فرماتے ہیں:۔

بادشاہے کہ جوہر نفیس داشت وطالب حق اما عالی محض ص۲۵۵	بادشاہ جو جوہر نفیس رکھتا تھا اور طالب حق تھا مگر محض بلند خیال (ذاتی علم سے عاری)

اس کی زندگی کے ابتدائی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ شدت کے ساتھ اسلامی عبادات کا پابند تھا۔ نماز تو بڑی چیز ہے سفر وحضر میں جماعت بھی ترک نہیں ہوتی تھی۔ سات عالم امامت کیلئے مقرر تھے جن میں سے ایک ہمارے ملا عبدالقادر بدایونی ہیں ان کا بیان ہے کہ:۔

ہر پنج وقت برائے خاطر جماعت در دربار می گفتند۔ ص۳۱۵	ہر پانچوں وقت برسر دربار جماعت کے متعلق فرماتے تھے۔

سفر میں ایک خاص خیمہ نماز کا ہوتا تھا جس میں بادشاہ جماعت کے ساتھ نماز ادا

---

[1] اس موقعہ پر بھی ہم مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے ترتیب کی کاوش سے احقر کو نجات دلادی، فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔ چونکہ مولانا کا یہ مضمون الفرقان کے مجدد نمبر میں شائع ہوا ہے لہذا مولانا محمد منظور صاحب کیلئے بھی یہی دعا ہے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء عنا وعن سائر المستفیدین ۱۲۔

کرتا تھا۔ علم دین اور علماء دین کا احترام جس حد تک کرتا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ شیخ عبدالنبی جو اکبر کے ابتدائی عہد حکومت میں "صدر جہاں" تھے اُن کے ساتھ :۔

بادشاہ از غایت تعظیم و احترام گاہے بجہتِ استماعِ علمِ حدیث بخانہ شیخ میرفتند دیکدو مرتبہ کفش پیش پائے او ہم می مانند

انتہائی احترام و تعظیم کی وجہ سے بادشاہ کبھی کبھی "علمِ حدیث" سننے کیلئے اُن کے گھر جاتا اور ایکدو دفعہ تو جوتیاں بھی (شیخ کے) آگے بادشاہ نے رکھیں

علما و صلحا، کی صحبت اسی قدر مرغوب تھی کہ حضرت شیخ سلیم چشتی کے پڑوس میں رہنے ہی کی غرض سے اس نے فتحپور ہی کو دارالسلطنت بنالیا تھا اور مدتوں پا پیادہ اجمیر شریف حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو جایا کرتا تھا۔ فتحپور میں اس نے "انوپ تلاؤ" کے نام سے تالاب بنوایا تھا۔ اور اس کے ارد گرد عمارتیں بنوائی گئیں تھیں جن کا نام "عبادتخانہ" رکھا گیا تھا۔ ملا عبدالقادر کا بیان ہے کہ جہاں پر یہ عمارت بنائی گئی تھی، بادشاہ اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں اسی مقام پر ایک پُرانے حجرہ کے پتھر پر بیٹھکر

از آبادی یکسو افتادہ نشستہ بمراقبہ مشغول می شدند و فیض سحری ربودند۔ ص ۲۲

آبادی سے دور مراقبہ میں مشغول رہتے تھے اور صبح کے فیض کو حاصل کرتے تھے۔

نمازِ جمعہ کے بعد اسی عمارت میں علما کا اجتماع ہوتا تھا۔ بعد کو یہ ذوق اتنا بڑھا کہ جمعہ کی پوری رات ان ہی علماء و مشائخ کی صحبت میں گذرتی تھی۔ خوشبوئیں جلائیں جاتی تھیں۔

پیوستہ کار تحقیق مسائلِ دین بود چہ اصول چہ فروع۔

اور دینی مسائل خواہ اُصول سے متعلق ہوں یا فروع سے ہمیشہ اُن ہی کی تحقیق سے سروکار تھا

بادشاہ اس مجلس میں حسب استعداد ہر ایک کی معقول خدمت بھی کرتا تھا۔ اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ وسائل تلاش کر کر کے علماء و مشائخ کی ایک کافی جماعت یہاں اکٹھی ہونے لگی، ملّا صاحب کا اندازہ ہے کہ:۔

جماعت مناظرین و مباحثین چہ محقق چہ مقلد از صد نفر متجاوز بودند ص۱۸۸	بحث و مباحثہ و مناظرہ کرنے والے علما خواہ محقق ہوں یا مقلد اُن کی تعداد سو آدمیوں سے متجاوز تھی

بھلا جہاں مولویوں کی اتنی تعداد جمع ہو جائے اور وہ بھی ان دنی اغراض کے تحت جو ان لوگوں کو یہاں تک کھینچ کر لائی تھی، انجام اس کا وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا شروع شروع میں پہلا جھگڑا نشستگاہوں پر چلا ہر ایک بادشاہ سے قریب ہونا چاہتا تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

بدنفسیہا ازیں جماعت ظاہر شد	پہلی بدنفسی تھی جو اس گروہ سے ظاہر ہوئی۔

اگرچہ اکبر نے اس دفعہ اغماض سے کام لیا لیکن دل میں غیر شعوری طور پر اُن کا وزن کم ہو رہا تھا، آخر ایکدن جبکہ "چشم بددور" دین کے ان ستونوں کا یہ حال تھا:۔

کہ بایکدیگر تیغِ زبان کشیدہ در مقام منافی و تقابل بودند و اختلاف بجائے رسیدہ کہ تکفیر و تضلیل ہمدگری نمودند۔	باہم ایکدوسرے پر زبان کی تلواریں نکالے ایکدوسرے کی نفی، تردید اور مقابلہ میں مصروف تھے کہ ان کے اختلافات اس حد کو پہونچے کہ ایکدوسرے کی تکفیر کرنے لگا اور ایکدوسرے کو گمراہ کہنے لگا۔

اور شاہی دربار میں

رگِ گردن علمارِ زمان برآمدہ آوازہائے بلند و دمدمہ بسیار ظاہر شد۔	ان مولویوں کی گردن کی رگیں پھول آئیں اور شور ہونے لگا۔ سخت ہلڑ مچ گیا۔

بادشاہ کے متاثر قلب پر اُن کی یہ حرکت ناگوار گذری۔ "برخاطر اشرف گراں آمد"
اس کے بعد ملا عبد القادر کو حکم دیا گیا کہ آیندہ سے جو ان میں نامعقول ہوں انکو
مجلس میں نہ آنے دینا۔ یہ پہلی خفت تھی جو اس جماعت کو نصیب ہوئی اور گو ان کی آمد
ورفت باقی رہی لیکن ایک ایسے بادشاہ کے دربار میں جو ان کی ہر گفتگو سے بجائے ایمانی قوت
کے سُوء ظنی میں روز بروز ترقی کر رہا تھا، آخر ایک کے فتویٰ حلال اور دوسرے کے حرام نے بادشاہ
کو مطلق دین ہی کے متعلق

در شک انداخته حیرت بر حیرت افزود و مقصود از میان رفت	شک میں ڈال دیا اور اسکی حیرت پر حیرت میں اضافہ ہوتا رہا تا اینکہ جو مقصود تھا وہی سامنے سے جاتا رہا

اکبر کے دربار میں کس قسم کے علماء جمع تھے اس کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ ان
میں ملا عبد اللہ سُلطانپوری تھے جن کا عہدہ "مخدوم الملک" تھا۔ محض اسلئے کہ حج
نکرنا پڑے فریضۂ حج کے اسقاط کا فتویٰ دیدیا۔ زکوٰۃ کے متعلق بھی مشہور ہے کہ ششماہی
تقسیم کرنیوالے حیلہ سے کام لیا کرتے تھے۔ اور آخر میں جب ہزارہا ذلت و خواری کے بعد
انتقال ہوا تو بادشاہی حکم سے ان کے مکان کا جو لاہور میں تھا جائزہ لیا گیا۔

چند خزائن و دفائن او پدید گشت کہ قفل آنہا بکلید وہم نتواں کشاد از انجملہ چند صندوق طلاء از گور خانہ مخدوم الملک کہ بہ بہانہ اموات دفن کردہ بود ظاہر شد ص ۳۱۱	اتنے خزانے اور دفینے ظاہر ہوئے کہ ان خزانوں کے تالوں کو وہم کی کنجیوں سے بھی کھولنا ناممکن تھا منجملہ اُن کے سونے سے بھرے ہوئے چند صندوق مخدوم الملک کے گور خانہ سے برآمد ہوئے جنہیں مُردوں کے بہانہ سے اُس نے دفن کیا تھا۔

اِدہر حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے مولانا عبد النبی تھے

جو عہد اکبری کے سب سے بڑے محدث خیال کئے جاتے تھے۔ ان کی بادشاہ نے جوتیاں سیدھی کی تھیں۔ اور سارے ہندوستان کے ائمہ وخطبا وغیرہ کی جاگیروں کا اختیار ان کو دیا گیا تھا۔ لیکن علم کا یہ حال تھا کہ مشہور حدیث الحزم سوء الظن کو آپ ہمیشہ بجائے زائے معجمہ کے رائے مہملہ سے "لفظ فرماتے تھے اور جب صدارت کے اختیارات ملے تو کسی کو آنکھ ہی نہیں لگاتے تھے، سارے ہندوستان کے مذہبی جاگیرداروں کو دوڑانا شروع کیا۔ آخر میں یہ حالت ہوئی کہ

سائر وکلاء شیخ وفراشاں ودربانان وسائسان وحلال خوران نیز رشوتہائے کلی دادے وگلیم ازاں ورطہ بدر بردے۔

لوگ شیخ کے وکیلوں، انکے فراشوں، دربانوں سائیسوں، حلال خوروں (مہتروں) تک کو رشوت دے دے کر اپنے اپنے کمل اس گرداب سے باہر نکالتے

مخدوم الملک اور ملا عبد النبی دونوں میں رقیبانہ کشمکش جاری تھی۔ ہر ایک نے دوسرے کے متعلق رسالے لکھے، ایک صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کو بواسیر ہے اس لئے اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے دوسرا کہتا ہے کہ تو اپنے باپ کا چونکہ عاق شدہ بیٹا ہے اس لئے تیرے پیچھے بھی نماز جائز نہیں، الغرض صبح وشام شاہی کیمپ علماء کے ان دینی ہنگاموں سے گونجتا رہتا تھا اور بقول ملا عبد القادر ایک بڑی مصیبت یہ بھی تھی کہ جاہل اکبر:۔

علماء عہد خویش را بہتر از غزالی ورازی تصور نمودہ بودند رکاکتہائے ایشاں را دیدہ قیاس غائب بر شاہد کردہ سلف را نیز منکر شدند۔

اپنے زمانہ کے علماء کو رازی اور غزالی سے بھی بہتر خیال کرتا تھا پھران کے چھچھورے پن کو جب بادشاہ نے دیکھا تو سامنے والوں پر غائبوں کو قیاس کر کے سلف کا بھی منکر ہو گیا

آخر اس عہد کا رازی جب حزم کو حرم پڑھتا ہو اور اس زمانہ کے غزالی کے گھر سے طلائی اینٹوں کی قبریں برآمد ہوتی ہوں تو گذشتہ زمانہ کے غزالیوں اور رازیوں کے متعلق کیا خیال کیا جا سکتا ہے، ازیں قبل طرح طرح کے مشائخ بھی آتے اور اکبر کے سامنے جھوٹے دعوے کرتے، کبھی کہتے کہ آپ کی فلاں حاملہ حرم کے لڑکا ہوگا، بدقسمتی سے لڑکی ہوجاتی، ایک بڑے باکرامت بزرگ لاہور سے تشریف لائے جب اکبر نے تنہائی میں امتحان لیا اور کچھ پیش نہ چلی تو پیٹ کا حیلہ ظاہر کرکے دم بخود ہوگئے، یقیناً علما کا یہ فتنہ بھی بڑا فتنہ تھا اور بقول بدایونی

اختلاف علماء، کہ یکے فعلی را حرام میگفت و دیگرے بحیلہ ہماں را حلال می ساخت وجہ انکار گشت۔

علماء کا یہ اختلاف کہ ایک اُن میں سے ایک ہی فعل کو حرام کہتا تھا دوسرا کسی حیلہ سے اس کو حلال ثابت کرتا تھا بادشاہ کے انکار کا سبب بن گیا۔

لیکن اس سلسلہ کا سب سے زیادہ سیاہ حلقہ وہ ہے جو اگرچہ علماء ہی کا فتنہ تھا لیکن شدت تاثیر نے اکبری الحاد کا اس کو سب سے بڑا ذریعہ بنا دیا۔ میری مراد مُلّا مبارک ناگوری اور اُن کے شہرۂ آفاق صاحبزادوں سے ہے، مُلّا صاحب جیسا کہ اُن کی سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے بڑے پایہ کے عالم تھے۔ علوم متداولہ سے اُن کو ہر فن کا ایک مستقل متن زبانی یاد تھا جب تک ناگور میں رہے زیادہ تر معقولات اور فقہ و اصول ان کا علمی سرمایہ تھا پھر یہ احمد آباد پہونچے ہیں، اس زمانہ میں ہندوستان کے ساحلی شہروں میں بجائے عقلیات کے دینی علوم کا زیادہ چرچا تھا۔ مُلّا مبارک کو احمد آباد میں اپنے دینی تبحر کا موقعہ ہاتھ آیا، لیکن دماغ میں فطرۃً شورش تھی، مذاہب اربعہ اور اُن کے اختلافات سے واقف ہونیکے بعد یہ غیر مقلد ہوگئے۔ جیسا کہ خود ابوالفضل لکھتا ہے کہ:-

وبہ تگاپوئے سخت پایۂ اجتہاد رو نمود اگرچہ باقتضائے نیاکان بزرگ روش ابوحنیفہؒ انتساب داشتند واز تقلید برکنارہ بندگی دلیل کردے۔ (آئین اکبری)

سخت دوڑ دھوپ کے بعد اجتہاد کے درجہ تک ان کی رسائی ہوگئی اگرچہ بزرگان سلف کی پیروی میں ابوحنیفہ کے طریقہ کی جانب اپنے آپ کو منسوب کرتے تھے لیکن تقلید سے کنارہ ہوکر بندگی کرتے تھے۔

اس غیر مقلدی کے سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ شیراز کے ایک فلسفی ابوالفضل گازرونی کے حلقہ میں بھی شریک ہوگئے اور

بسیارے غوامض شفا و اشارات و تذکرہ مجسطی را اندکار فرسودند

اور شفا، اشارات، تذکرہ مجسطی کے بہتیرے مشکلات کو ان سے حاصل کیا۔

اس پر طرہ یہ تھا کہ ملا صاحب کو تصوف کا بھی شوق ہوا اور

اسالیب اشراق و تصوف برخواندند و فراوان کتاب نظر و تالہ دیدہ شد۔

تصوف و اشراق کے مختلف طریقوں کا بھی مطالعہ کیا اور نظر و فکر اور خداشناسی کی کتابیں بھی نظر سے گذریں۔

ظاہر ہے کہ شوریدہ مغزوں میں جب یہ ساری کرامتیں جمع ہو جاتی ہیں تو پھر اُن سے بے محابا ایسی باتیں صادر ہوتی ہیں جن سے جمہور میں برہمی پیدا ہوتی ہے، اگرچہ مُلّا صاحب پر مہدویت کبھی شیعیت کا الزام لگایا لیکن ابوالفضل کو اس سے انکار ہے، بہرحال عام علما کو ان کے طرز و روش سے ضرور شکایت تھی اور ان پر مولویوں نے چند سخت حملے بھی کئے اس کا آسان جواب تو یہی ہوسکتا تھا کہ یہ بھی جواب دیتے لیکن علم کے غرور نے ملا صاحب کو ایک خطرناک اقدام پر آمادہ کیا، خلاف عادت اپنے زاویۂ درس و ارشاد سے

نکل کر بیٹوں کی معیت میں یہ ملک کی سیاست میں داخل ہو گئے، علم کا گھرانا تھا، اوپر ہوئے زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ چند ہی دنوں میں دیکھا جاتا ہے کہ وہی ملا مبارک جن کے متعلق ابوالفضل لکھتا ہے کہ:۔

شیر خان وسلیم خان و دیگر بزرگان درمقام آن شدند کہ از وجوہ سلطانی چیزے برگیرند	شیر خاں (شیر شاہ) وسلیم خان (پسر شیر شاہ) اور دوسرے بزرگوں نے اصرار کیا کہ سلطانی وجوہ سے کچھ قبول کریں۔

لیکن "ازانجا کہ ہمت بلند بود و نظر عالی سرباز زد" یہی ملا مبارک یکایک اکبر کے بارگاہ جلال میں اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ جلوہ فرما ہیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ مولویوں نے ان کو اور ان کے خاندان کو ضرور ستایا تھا۔ اور مُلّا صاحب کو ان کی وجہ سے کچھ دنوں پورے خاندان کے ساتھ دربدر مارا مارا پھرنا پڑا لیکن کیا اس کا شریفانہ جواب یہ تھا کہ "بانسری" کے بجنے کو روکنے کیلئے دنیا سے بانس کے جنگل ہی نابود کردئے جائیں اور بالغرض انتقام کے غصہ میں اگر یہی کرنا چاہتے تھے تو پھر جو چوٹ انہوں نے پہاڑ سے کھائی تھی اُس کا بدلہ یہ گھر کی "سل" سے کیوں لینے لگے۔

بہر حال تینوں باپ بیٹوں نے اپنے شخصی انتقام کا نشانہ ہندوستان کے اہل سنت کے مولویوں ہی کو نہیں بلکہ اسلام ہی کو بنالیا۔ مقصد میں کامیاب ہونیکے بعد جو وقت "اسلام" کا "ایوان" اپنے سارے متوسلین کے ساتھ چل رہا تھا اسوقت ملا عبدالقادر کا بیان ہے کہ ابوالفضل کی زبان پر ہر تھوڑی دیر کے بعد حسب ذیل اشعار جاری ہو جاتے تھے

آتش بدو دست خویش در خرمن خویش | چوں خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش
کس دشمن من نیست و منم دشمن خویش | اے وائے من و دستِ من و دامن خویش

الغرض اکبری دربار میں ابو الفضل و فیضی کا فتنہ بھی سچ پوچھو تو یہ علماء سو ہی کا فتنہ تھا۔ ملا مبارک ناگوری کی برکت سے گمراہی و زندقیت کا کس طرح سلسلہ شروع ہوا اور کہاں جاکر ختم ہوا اُس کی تفصیل مُلاحظہ فرمائیے۔

اجتہاد کا دعویٰ اس سلسلہ میں سب سے نمایاں چیز جو شروع شروع میں ہمارے سامنے آتی ہے وہ عہد اکبری کا وہ مشہور محضر نامہ ہے جسے بجنسہٖ مُلّا صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے اور یہی وہ محضر نامہ ہے جسے مُلّا مبارک ناگوری پدر ابو الفضل و فیضی نے مرتب کیا تھا اور بعضوں سے طوعاً بعضوں سے کرہاً علماء وقت کے اس پر دستخط کرا لئے گئے۔

اصل محضر نامہ

مقصود از تشیید این مبانی و تمہید این معانی آنکہ چون ہندوستان صینت عن الحدثان بمیامن معدلت سلطانی و تربیت جہانبانی مرکز امن و امان و دائرہ عدل و احسان شدہ و طوائف انام از خواص و عوام خصوصاً علماء عرفان شعار و فضلاء دقائق آثار کہ ہادیان بادیہ نجات و سالکان مسالک اوتوا العلم درجات اند از عرب و عجم رو بدین دیار نہادہ توطن اختیار نمودہ اند جمہور علماء فحول کہ جامع فروع و اصول و حاوی معقول

ترجمہ (بطور تسہیل)

مطلب ان امور کے درج کرنے سے یہ ہے کہ بادشاہی عدل و انصاف اور سرپرستی کی بدولت ہندوستان آجکل امن و امان کا مرکز بنا ہوا ہے اور اسی کی وجہ سے عوام و خواص خصوصاً اُن صاحب علم و فضل علما کا یہاں اِن دنوں اجتماع ہو گیا ہے جو نجات کی راہوں کے رہنما ہیں اور اوتوا العلم درجات قرآنی آیات کے مصداق یہ لوگ عرب و عجم سے اس ملک میں تشریف لائے اور اسی کو اپنا وطن بنا لیا ہے اب جمہور علما جو ہر قسم کے علوم میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں اور عقلی و نقلی فنون کے

ومنقول اند بدیں دیانت و صیانت اتصاف دارند بعد از تدبر وافی و تأمل کافی در غوامض معانی اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم و احادیث صحیح ان احب الناس الی اللہ یوم القیامۃ امام عادل من یطع الامیر فقد اطاعنی و من یعص الامیر فقد عصانی و غیر ذلک من الشواہد العقلیۃ و الدلائل النقلیۃ قرار دادہ حکم نمودند کہ مرتبہ سلطان عادل عند اللہ زیادہ از مرتبہ مجتہد است و حضرت جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی اعدل و اعقل و اعلم باللہ اند۔ بنا بریں اگر دریں مسائل دین کہ بین المجتہدین مختلف فیہا است بذہن ثاقب و فکر صائب خود یکجانب را از اختلاف بہ جہت تسہیل معیشت بنی آدم و مصلحت انتظام عالم اختیار نمودہ بآن جانب حکم فرمایند متفق علیہ شود و اتباع آن بر عموم برایا لازم و متحتم است اگر بموجب رائے صواب نمائے خود حکمی را از احکام قرار دہند کہ مخالف نصے نباشد و سبب ترفیہ عالمان بودہ باشد

ماہر ہیں اور ایمانداری اور انتہائی دیانت اور راستبازی کیساتھ موصوف ہیں قرآن کی آیت اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (یعنی اطاعت کرو اللہ کی اطاعت کرو رسول کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں صاحبان امر ہیں) اور صحیح حدیثیں مثلاً یہ کہ خدا کے نزدیک قیامت کیدن سب سے زیادہ محبوب وہ امیر ہوگا جو عادل ہے جس نے امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی، ان کے سوا اور دوسرے دلائل عقلی و نقلی کی بنیاد پر یہ قرار دیتے ہیں اور فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ خدا کے نزدیک سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد کے مرتبہ سے زیادہ ہے۔ اور بادشاہ جلال الدین محمد اکبر غازی چونکہ سب سے زیادہ عقل والے اور علم والے ہیں اس بنیاد پر ایسے دینی مسائل میں جن میں مجتہدین باہم اختلاف رکھتے ہیں اگر وہ (یعنی اکبر بادشاہ) اپنے ذہن ثاقب اور رائے صائب کی روشنی میں بنی آدم کی معاشی سہولتوں اور دنیاوی انتظام کی آسانیوں کو مدنظر رکھکر کسی ایک پہلو کو ترجیح دیکر اسی کو مسلک قرار دیں تو ایسی صورت میں بادشاہ کا یہ فیصلہ اتفاقی

عمل برآن نمودن برہمہ کس لازم و متحتم است و مخالفت آن موجب سخط اُخروی و خُسران دینی و دنیوی است۔ انتہی بلفظہ صــ۲۷۲ــ ج ۲ مطبوعہ کلکتہ۔

سمجھا جائیگا اور عام مخلوق رعایا و برایا کے لئے اس کی پابندی لازمی ولابدی ہوگی (اسی طرح اگر کوئی ایسی بات جو قطعی نصوص کے مخالف نہ ہو اور دنیا والوں کو اس سے مدد ملتی ہو بادشاہ اگر اس کے متعلق کوئی حکم صادر فرمائیں تو اس کا ماننا اور اس پر عمل کرنا بھی ہر شخص کے لئے لازم اور ضروری ہوگا اور اسکی مخالفت دینی دنیوی بربادی اور اُخروی مواخذہ کی مستوجب ہوگی

غالبًا اسی کے بعد وہ لطیفہ پیش آیا کہ بحیثیت مجتہد و امام عادل ہونے کے جمعہ میں خطبہ پڑھنے کا اکبر کو خیال آیا۔ فیضی نے فارسی اشعار میں خطبہ تیار کیا۔ لیکن میدان جنگ میں جس کی تلوار سروں کو اڑاتی تھی وہ تھرّانے لگا اور صرف دو شعر پڑھکر منبر سے اُتر گیا۔

یہ تھی وہ پہلی منزل جہاں تقلید سے کنارہ کش ہوکر اکبر کو اجتہاد کے درجہ پر پہونچایا گیا لیکن اس کے بعد پھر کیا ہوا وہی جو ہمیشہ اس کے بعد ہوا ہے، تھوڑے دنوں کے بعد علانیہ ائمہ و مجتہدین کی توہین و تحقیر ہونے لگی۔ دین کا بھرم اُٹھ گیا۔ ملا صاحب اپنے کانوں سُنی بیان فرماتے ہیں کہ ابوالفضل کی جرأت اِس حد کو پہونچ گئی تھی)۔

اگر در حین بحث سخن مجتہدین را می آوردند می گفت فلان حلوائی و فلان کفش دوز و فلان چرم گر بر ما حجت می آرید و نفی ہمہ علما بر دو ساز وار آمد۔ صفحہ صــ۲۰۰ــ رر

اگر کسی بحث و مباحثہ کے درمیان ائمہ مجتہدین کی کوئی بات پیش کیجاتی تو ابوالفضل اسکے جواب میں کہتا فلاں حلوائی فلاں کفش دوز اور فلاں چمڑہ والیکے قول سے تم مجھپر حجت قائم کرتے ہو ابوالفضل کو تمام علما کا یہ انکار بہت موافق ثابت ہوا۔

لیکن معاملہ ابھی صرف ائمہ مجتہدین تک پہونچا تھا۔ بدقسمتی سے ہمایوں کو چونکہ ایرانیوں

امداد سے دوبارہ تخت وتاج میسر آیا تھا۔ اس لئے بتقاضائے منت شناسی عراق عجم اور ایران کے علما و شعرا کو خود اس نے اپنے عہد میں اعزاز و اکرام سے سرفراز کیا اور یہ دستور اکبر کے دربار میں بھی جاری رہا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہمایوں کے بعد ہندوستان کی طرف ایک سیلاب تھا جو سلسل انقراض دولت مغلیہ تک اِن ممالک سے ہندوستان آتا رہا یہ سیلاب کس قسم کا تھا۔ اُس زمانہ کے کسی شاعر نے اس کو خوب ادا کیا ہے ؎

نفاق آمدہ در ہند از بلادِ عراق　　　عراق قافیہ میدان بر ہگذار نفاق

یہ ٹڈیوں کا بھوکا دل تھا جو ہندوستان کی کشت زاروں کی طرف بے تحاشا اُڑا چلا آرہا تھا اور ہر ادنیٰ ہندوستان پہنچکر اس درجہ عالی ہو جاتا تھا کہ بالآخر لوگوں کو کہنا پڑا

پار بودم قطبک وامسال قطب الدین شدم　　　گر بیایم سال دیگر قطب دین حیدر شوم

بہر حال یہ وہ گروہ تھا جو ائمہ دین مجتہدین سے آگے بڑھ کر بے محابا شرف صحبت کے سعادت یافتوں پر بھی حملہ کرنے میں قطعاً بے باک تھا۔ اکبر کو تاریخی واقعات کے سننے کا بیحد شوق تھا۔ حریفوں نے خصوصیت کیساتھ اس کے سامنے ان ہی کتابوں کو اور کتابوں کے بھی خاص اُن حصّوں کو پیش کرنا شروع کیا جن کا تعلق مشاجرات صحابہ سے تھا ملا صاحب لکھتے ہیں:۔

واٰنچہ درحق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم در وقت خواندن کتب سیر مذکور می ساختند خصوصاً در خلافت خلفائے ثلاثہ و قضیہ فدک و جنگ صفین وغیرآن کہ گوش از استماع آں کر باد تحو و بزبان نتواں آورد	صحابہ کی شان میں سیر کی کتابوں کے پڑھنے میں جو الفاظ بادشاہ کی زبان سے نکلے تھے خصوصاً خلفائے ثلاثہ فدک جنگ صفین وغیرہ کے ذکر کیوقت جو کچھ کہا جاتا تھا، کان اگر اُن کے سننے کو بہرے ہوتے تو بہتر تھا میں اپنی زبان سے انکو ادا بھی نہیں کرسکتا

مجتہدین اور ائمہ پہلے وار میں ختم ہوئے اور اس دوسری ضرب نے تو اسلام کی رہی سہی ساکھ بھی ختم کر دی جیسا کہ اس کے بعد ہونا چاہیئے اور یہ ہوا کہ اکبری دربار میں

ملت اسلام ہمہ نا معقول و حادث و واضع آن فقراء عربان بودند کہ جملہ مفسدان و قطاع الطریق اوان دو بیت شاہنامہ کہ فردوسی طوسی بطریق نقل آوردہ متمسک می ساختند

زشیر شتر خوردن و سوسمار ؛ عرب را بجائے رسید است کار
کہ ملک عجم را کند آرزو ؛ تفو باد بر چرخ گردان تفو
صـ ۳۰۶

ملت اسلامی کا سارا سرمایہ حادث اور بد عقلی کا مجموعہ ٹھیرایا گیا اور اس کے بنانیوالے (العیاذ باللہ) عرب کے وہ چند مفلس بدو قرار پائے جن میں کے سب مفسد اور راہزن تھے۔

اور شاہنامہ کے دو مشہور شعروں سے سند پکڑی گئی۔

"شجرۂ طیبۂ نبوت" علی صاحبہا الف سلام و تحیتہ کے ان ثمر ہائے رسیدہ تک جس کی زبان پہونچ چکی تھی وہ آخر کب تک پھلوں سے خود درخت تک نہ پہنچتا۔ العیاذ باللہ آخر وہ منحوس دن بھی سامنے آہی گیا۔ کہ

در ہر رکنے از ارکان دین و ہر عقیدہ از عقائد اسلامیہ چہ در اصول و چہ فروع مثلاً نبوت و کلام و رویت و تکوین و حشر و نشر شبہات گوناگوں بہ تمسخر و استہزاء آوردہ صـ ۳۰۷

ارکان دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ اُن کا تعلق اُصول سے ہو یا فروع سے مثلاً نبوت، مسئلہ کلام، دیدار الٰہی، انسان کا مکلف ہونا، عالم کی تکوین، حشر و نشر وغیرہ کے متعلق تمسخر اور ٹھٹھے کیساتھ طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کئے جانے لگے۔

یہی نہیں کہ بادشاہ ہی صرف شک میں مبتلا ہو گیا تھا بلکہ اہل دربار سے بھی ان مسائل کے متعلق بحث کرتا اور سبکو اپنی ذہنی کیفیت کے قریب لانے کی کوشش کرتا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ بادشاہ

خلق را بخلق قرآن و توغل در استحالۂ وحی و تشکیک در نبوات و امامات امتحان کردند و جو د جن و ملک و سائر مغیبات و معجزات و کرامات را انکار صریح آوردند و تواتر قرآن و ثبوت کلامیت آن و بقائے روح بعد از اضمحلال بدن و ثواب و عقاب را (غیر از تناسخ) محال می شمردند (ص ۲۷۳)

عام مخلوق کو خلق قرآن کے مسئلہ کی تبلیغ کرنا اور وحی کے محال ہونے پر اصرار و غلو سے کام لیتا نبوت و امامت کے مسئلوں میں لوگوں کا امتحان لیتا اور جن و فرشتے اسیطرح ساری غیبی ہستیوں نیز معجزات اور کرامتوں کا کھلے لفظوں میں انکار کرتا قران کے تواتر، خدا کے متکلم ہونے اور بدن کے فنا ہونے کے بعد ثواب و عذاب کے لئے روح کے باقی رہنے کو محال سمجھتا تھا۔ البتہ تناسخ کے طور پر عذاب و ثواب کا قائل تھا۔

اپنی اس تبلیغ میں غلو کی آخری حد یہ تھی کہ کبھی کبھی بھرے دربار میں اکبر سے خلاف وقار شاہی بعض مذبوحی حرکتیں بھی سرزد ہو جاتی تھیں مثلاً بیٹھے بیٹھے یکایک ایک ٹانگ پر کھڑا ہو جاتا اور اس کے بعد حسب ذیل تقریر کرتا۔

این معنی را عقل چگونہ قبول کند کہ شخصے در یک لحظہ با گرانی جسم از خواب بآسمان رود و نود ہزار سخن گو مگو ئے با خدا تعالیٰ کند و بسترش ہنوز گرم باشد و مردم بآن دعویٰ بگروند و ہمچنیں شق القمر و امثال آن۔

آخر اس بات کو عقل کس طرح مان سکتی ہے کہ کہ ایک شخص بھاری جسم رکھنے کے باوجود یکایک نیند سے آسمانوں پر چلا جاتا ہے اور نوے ہزار بات خدا سے کرتا ہے لیکن اس کا بستر اسوقت تک گرم ہی رہتا ہے، لوگ اس دعوی کو مان لیتے ہیں اور اسی طرح شق القمر وغیرہ جیسی باتوں کو بھی مان لیتے ہیں۔

پھر اپنی اٹھی ہوئی ٹانگ کی طرف حاضرین کو مخاطب کرکے سوال کرتا۔

ممکن نیست کہ تا پائے دیگر برجا ماند استادہ

ناممکن ہے کہ جبتک دوسرا پاؤں زمین سے لگا

توانیم این چہ حکایتہا است۔ ص۲۱۱

ہوں میں کھڑا رہ سکوں، آخر یہ ہیں کیا قصے؛

گویا خلافِ عادت کے ناممکن ہونے کو اپنی اٹھی ہوئی ٹانگ سے ثابت کیا جاتا تھا۔ یہی رنگ تھا جو بالآخر گہرا ہوا، گہرا ہوا اور خوب گہرا ہوا تا اینکہ نوبت باینجا رسید کہ اب اسکی زبان سے عیاذاً باللہ یہ باتیں بھی نبوت کبریٰ کی شان میں نکلنے لگیں۔

زدن قافلہ قریش در اوائل ہجرت وچہاردہ زن خواستن وتحریم شہد کردن برائے خوشنودی زنان (ص۲۰۱)

یعنی اوائل ہجرت میں قریش کے قافلہ کا لوٹنا چودہ عورتوں سے نکاح کرنا اور بیویوں کی رضا مندی کیلئے شہد کو حرام کرنا (ان سے نبوت پر اعتراض کرتا تھا۔

آج یورپ کی کمان سے جن تیروں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اب برس رہے ہیں حیرت ہوتی ہے کہ یہ سب کچھ آج سے تین سو برس پیشتر بھی ہو چکا تھا۔ آخری کیفیت اکبر کے نفس کی یہ ہوئی کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ملا صاحب کا بیان ہے فاعتبروا یا اولی الابصار۔ ابتدا میں بات کتنی ہوتی ہے لیکن آخر کہاں جا کر ختم ہوتی ہے۔

نام احمد ومحمد ومصطفےٰ وامثال آن بجہت کافران بیرونی وزنان اندرونی گران می آمد تا بمرور ایام اسامی چندرا از مقربان کہ بایں نام مسمّٰی بودند تغیر دادہ مثلاً یار محمد، محمد خاں را رحمت میخواندند ومی نوشتند (ص۲۱۵ ج۲)

احمد، محمد ومصطفےٰ وغیرہ نام بیرونی کافروں کے خاطر سے اور اندرونی عورتوں کی وجہ سے اس شخص پر گراں گذرنے لگے آخر کچھ دن کے بعد اپنے چند خاص لوگوں کے نام اس نے بدل بھی ڈالے مثلاً یار محمد اور محمد خان کو وہ رحمت ہی کے نام سے پکارتا بھی تھا اور لکھنے کیوقت بھی ان کو اسی نام سے موسوم کرتا۔

اور غالباً یہی وجہ ہے جیسا کہ ملا صاحب کا بیان ہے کہ اکبری عہد کے مصنفین

خطبۂ کتاب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت لکھنے سے گریز کرنے لگے۔

علمائے سُوء در تصنیفات از خطبہ تبرّا می آوردند و اکتفا بتوحید کردند و القاب بادشاہی می نوشتند و مجال نبود کہ نام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ رغمِ المکذّبین بہ برند۔ (ص ۲۶۹)

علمائے سُو اپنی اپنی تصنیفوں میں خطبہ لکھنے سے بچنے لگے صرف توحید اور بادشاہی القاب کے ذکر پر قناعت کرتے، ان کی مجال نہ تھی کہ بے ایمان جھٹلانے والوں کے علی الرغم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک زبان و قلم پر لاتے۔

یہاں تک کہ خود مُلّا صاحب کو جب مہابھارت کے ترجمہ کے شروع میں خطبہ لکھنے کی فرمائش بادشاہ نے کی تو محض اس وجہ سے انہوں نے اعراض کیا کہ بغیر نعت کے وہ خطبہ لکھنا نہیں چاہتے تھے، ان ہی باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ بادشاہ تو بادشاہ ہر عامی کی جُرأت بھی حد سے متجاوز ہونے لگی۔ مُلّا صاحب فرماتے ہیں کہ

بد بختے چند از ہندواں و مسلمانان ہندو مزاج قدح صریح بر نبوت می کردند

چند ہندو و چند ہندو مزاج مسلمان، یہ بدنصیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر صراحۃً اعتراضات کرتے تھے۔

لیکن ان کا کوئی روکنے والا، ٹوکنے والا نہ تھا۔ حد تو یہ ہوگئی کہ جب اکبر کے دربار میں عیسائی مشنری کا وفد پہونچا ہے تو ان لوگوں نے جہاں اور باتیں دربار میں کہیں تھیں ان میں العیاذ باللہ یہ بھی تھا۔

در تعریف دجّال ملعون این ملاعین اوصاف

ان ملعونوں نے دجّال کے صفات بیان کرکے

اورا درباب حضرت خیر النبیین صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ رغم الدجّالین فرود آوردند ؎ (استغفر اللہ) ان کو .... پر ڈھلتے تھے۔

اللہ اکبر! اتنی بدبختانہ بیہودگی کو سُن کر بھی اکبر کی پیشانی پر بل تو کیا پڑتا، نہایت خندہ جبینی سے ان کا استقبال کرتا ہے اور خاص اپنے شہزادہ مراد کو حکم دیتا ہے سبقے چند تیمناً ازاں بخواں ؎ چند اسباق ان پادریوں سے تبرکاً پڑھو۔

عقائد میں جس شخص کا یہ حال ہو چکا تھا۔ اس کے اعمال کے متعلق سوال ہی فضول ہے، وہی نماز جس کے متعلق کبھی یہ حال تھا کہ:۔

ہر پنجوقت برائے خاطر جماعت در دربار می گفتند (ص۳۱۵) پانچوں وقت (نماز تو نماز) جماعت کیلئے بھرے دربار میں فرمایا کرتے تھے۔

اب ان ہی مُلاّ صاحب کا بیان ہے کہ

در دیوان خانہ ہیچکس را یارائے آن نداشت کہ علانیہ ادائے صلوٰۃ کند ص۳۱۵ دیوان خانہ میں کسی کی مجال نہ تھی کہ علانیہ نماز ادا کر سکے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

نماز روزہ و حج پیش ازان ساقط شدہ بود (ص۲۵۱) نماز روزہ اور حج تو اس سے پہلے ہی ساقط ہو چکے تھے۔

اور معاملہ سقوط و اسقاط تک ہی ختم نہیں ہوا تھا، بے دینوں نے شاہی اشارہ پا کر پھر اس کے بعد جو کچھ کیا اسکے ذکر سے بھی دل ڈرتا ہے۔ غیر اسلامی خاندان کے آدمی نے نہیں بلکہ ایک مشہور مُلاّ کے بیٹے نے جیسا کہ بدایونی کا بیان ہے۔

پسر مُلاّ مُبارک شاگرد ابوالفضل رسائل ملا مبارک کے بیٹے نے جو ابوالفضل کا شاگرد تھا

درباب قدح وتمسخر این عبادات بدلائل   اسلامی عبادات کے متعلق اعتراض اور سخر گی
نوشتہ ومقبول افتادہ باعث تربیت گشت   کے پیرایہ میں چند رسالے تصنیف کئے (شاہی
جناب) میں ان کے ان رسالوں نے بڑی مقبولیت حاصل کی اور اسکی سرپرستی کا ذریعہ یہی
رسالے بن گئے۔

دینی شعائر کی ہجو میں اشعار بنائے گئے اور کوچہ و بازار میں وہی گلائے جاتے تھے
جن میں کے بعض اشعار ملا صاحب نے بھی نقل کئے ہیں۔ یہ دکھانے کیلئے کہ حضرت
مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں "دین کی غربت" کا نوحہ جن دردناک
پیرایوں میں کرتے ہیں اسکے اسباب کیا تھے، ہم بھی چند بطور "نقل کفر" کے نقل کرتے
ہیں مثلاً غالباً یہ فیضی کی فیاضی کفر تھی۔

از حقیقت بدست کورے چند   مصحفے ماند کہنہ گورے چند
گور باکس سخن نمی گوید   سر قرآن کسے نمی جوید

ایک ستنزا داس پر مستزاد ہے۔

عید آمد و کارہا نکو خواہد شد   چون روئے عروس
ساقی مے ناب در سبو خواہد کرد   چون خون خروس

(العیاذ باللہ)

افشار نماز پوز بند روزہ   یک بار دگر!
از گردن ایں خراں فرو خواہد گرد   افسوس افسوس

جزئیات کی تفصیل کہاں تک کی جائے۔ ملا صاحب کے الفاظ میں مختصر یہ ہے کہ۔
نماز روزہ وجمیع نبوات را تقلیدیات نام   نماز و روزہ اور وہ ساری چیزیں جن کا تعلق

نہادند یعنی غیر معقول و مدار دین بر عقل گذاشتند نہ نقل (ص۲۱۱)	نبوّت سے ہر ان کا نام "تقلیدات" رکھا گیا یعنی سب بد عقلی کی باتیں ٹھیرائی گئیں اور مذہب کی بنیاد عقل پر رکھی گئی نہ نقل پر۔

ایک اور موقع پر نقل کرتے ہیں کہ جب کسی شرعی مسئلہ کا ذکر ہوتا تو اسوقت بادشاہ یہ کہا کرتے تھے :-

ایں را از ملایاں بہ پرسید و چیزے کہ تعلق بہ عقل و حکمت از من (ص۳۰۸)	اسکو ملّاؤں سے پوچھو، البتہ ایسی چیزیں جن کا تعلق عقل و حکمت سے ہو وہ مجھ سے دریافت کرو

لیکن "عقل" کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس "دین جدید" کے تمام اصول و فروع سب براہِ راست "عقل" سے پیدا کئے جاتے تھے بلکہ صورت یہ اختیار کی گئی کہ پہلے تو "مساوات ادیان" کا دعویٰ کیا گیا، گویا کسی دین کو دوسرے دین پر ترجیح نہ دی جائے لیکن مذاہب میں جو تناقض و تضاد ہے، "نظریہ مساوات" پر اس کا نباہنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال تھا۔ اس لئے ترجیح کے لیے، "عقل" میزان ٹھیرائی گئی اور ممکنہ حد تک تمام مذاہب کے علماء و ماہرین کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی اور ہر ایک سے اس کے مذہب کے معلومات حاصل کئے جاتے تھے مسلمان اور ہندو تو دربار میں موجود ہی تھے، ان دو کے علاوہ اُسوقت تک اس ملک میں "یورو پین صلیبیوں" کی بھی آمدورفت شروع ہو چکی تھی، جیسا کہ مُلّا صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ عموماً یہ لوگ ساحلی علاقوں میں بحری قزاقوں کی حیثیت سے منڈلاتے رہتے تھے۔ اور اندرون ملک میں ان کا داخلہ غالباً اسوقت بحیثیت بازیگروں کے ہوتا تھا کیونکہ ملاّ صاحب نے ان کا اپنی کتاب میں جہاں کہیں تذکرہ کیا ہے اس میں زیادہ تر یہی ہے کہ جشن نوروز میں فرنگیوں کی بھی ایک ٹولی آکر شریک ہوئی اس نے

ارغنون نامی باجہ بجاکر لوگوں کو متحیّر کیا- غالبًا پیانو یا ہارمونیم تھا، کبھی بیلون اڑاکر تماشہ دکھاتے تھے۔ الغرض اکبری عہد تک ان کی حیثیت بظاہر بازیگروں ہی کی معلوم ہوتی ہے بعد کو انہوں نے سوداگروں کا بھیس بدلا اور آخر میں جو کچھ ہو کر رہا وہ تو سب سامنے ہی ہے۔ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ کی حقیقی تفسیریں کتابوں میں نہیں بلکہ صحیفہ فطرت کے اوراق میں ہمیشہ یونہی لکھی جاتی ہیں-

خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی قصّہ یہ ہو رہا تھا کہ اکبری دربار میں مختلف ارباب مذاہب کی ٹولیاں یکے بعد دیگرے دھمکنے لگیں- ہر ایک اپنے اپنے مذہب کو دربار میں پیش کرتا جن میں ایک :-

دانایان مرتاض ملک افرنجہ کہ ایشاں را پادھری و مجتہد ایشاں را .... پاپای گویند انجیل آورد و بر ثالث ثلاثہ دلائل گذرانیدہ وحقیت نصرانیت ثابت کردہ مے	ملک فرنگ کے مرتاض دانشمندوں کا بھی گروہ تھا ان لوگوں کو پادھری کہتے ہیں اور ان کے بڑے مجتہد کا نام پاپا ہے، ان لوگوں نے انجیل پیش کی اور ثالث ثلاثہ کے متعلق دلائل پیش کئے اور نصرانیت کو حق ثابت کیا-

ابوالفضل کو حکم دیا گیا کہ انجیل کا ترجمہ ان پادریوں سے پوچھ پوچھ کر کریں- یہی ترجمہ تھا جس کا بجائے بسم اللہ کے " ای نام تو ژ ژو کرستو" سے آغاز کیا گیا تھا، اسی طرح

آتش پرستان از شہر نوساری ولایت گجرات آمدہ بودند دین زردشت راحق نمودند و تعظیم آتش را عبادت عظیم می گفتند و بجانب خود کشیدہ از اصطلاح و راہِ	ولایت گجرات کے شہر نوساری سے آتش پرست بھی آئے انہوں نے زردشت کے دین کی حقیت ثابت کی یہ لوگ آگ کی تعظیم کو بڑی عبادت خیال کرتے ہیں انہوں نے بادشاہ کو اپنی جانب

کیانیاں واقف ساختند۔

مائل کرنے کی کوشش کی اور کیانی بادشاہوں کے رسم و رواج سے واقف کیا۔

اِن کے متعلق بھی ابوالفضل ہی کو حکم دیا گیا کہ

آتش باہتمام شیخ ابوالفضل بروش ملوک عجم کہ آتش ایشان ہمہ برپاے بود دائم الاوقات چہ در شب وچہ در روز در محل نگاہ می داشتہ باشند (صـ)

شیخ ابوالفضل کی نگرانی میں حکم دیا گیا ہے کہ ہمیشہ رات دن شاہی محل میں آگ کے روشن رکھنے کا انتظام کیا جائے۔

اِن کے سوا اور جو تاریکیاں تھیں وہ چراغ ہی کے نیچے تھیں۔ ہندو مذہب کے تمام فرقے اور اسلام کے بھی مختلف العقائد گروہ دربار میں موجود تھے۔ ابتداءً سب سے پوچھا جاتا تھا اور ہر مذہب والے کی رائے دریافت کیجاتی تھی۔ جیسا کہ مُلّا صاحب کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے :۔

اصناف دانایان از ہر دیار و ارباب ادیان و مذاہب بدربار جمع شدہ بشرف ہمزبانی مخصوص بودند بعد تحقیق و تفتیش کہ شب و روز شیوہ و پیشہ غیر ازان نداشتند صـ ۲۵۶

ہر ملک سے ہر قسم کے دانشمند اور مختلف مذاہب و ادیان کے لوگ دربار میں جمع ہوکر بادشاہ کی ہمزبانی کا شرف حاصل کرتے تھے۔ تحقیق و تلاش جس کے سوا بادشاہ کا رات دن میں کوئی شغل نہ تھا اس میں مشغول رہتے۔

لیکن یہ ساری تعمیر جو ہو رہی تھی ظاہر ہے کہ ایک "مستقل مذہبی نظام" کی تخریب و تکذیب کے بعد ہو رہی تھی، ممکن ہے کہ ابتداءً اس عمارت منہدمہ کی چیزوں سے بھی اس جدید عمارت کی تیاری میں کام لیا جاتا ہو لیکن حالات نے بتدریج کروٹ لینا شروع کیا۔ اور نوبت

آخر میں یہاں تک پہونچی کہ :-

برزعم اسلام ہر حکمے کہ ارباب ادیان دیگر بیان میکردند آن را نص قطعی شمردند بخلاف دین ملت (اسلام)، کہ ہمہ آن نامعقول و حادث و واضع آن فقرائے عربان ص‍‌ ۳

اسلام کی ضد اور اس کے توڑ پر ہر وہ حکم جو کسی دوسرے مذہب کا ہوتا اسکو بادشاہ نص قاطع اور دلیل قطعی خیال کرتے تھے بخلاف اسلامی ملت کے کہ اسکی ساری باتیں مہمل اور نامعقول نوپیدا عرب کے مفلسوں کی گھڑی ہوئی چیزیں خیال کی جاتیں۔

اس لئے اب سلسلہ تحقیقات میں اسلام کا نام تختہ سے کاٹ دیا گیا اور آخری طریقہ کار یہ رہ گیا کہ :-

ہرچہ خوش می آمد از ہر کس غیر از مسلمانان التقاط و انتخاب نمودہ از انچہ نا رضی طبع و خلاف خواہش بود احتراز و اجتناب لازم می دانستند ص‍‌ ۲۵۶

مسلمانوں کے سوا جس شخص کی جو بات پسند آجاتی تھی اُس کا انتخاب کر لیا جاتا تھا اور جو باتیں کہ ناپسندیدہ اور بادشاہ کی خواہش کے خلاف ہوتی تھیں اُن سے احتراز اور پرہیز کو ضروری خیال کرتے تھے۔

اس معاملہ میں اکبر کی رفتار جس نقطہ پر پہونچگئی تھی ملا صاحب ہی اسکو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔

بعد از پنج و شش سال اثرے از اسلام نماند و قضیہ منعکس شد۔ ص‍‌ ۲۵۵

پانچ چھ سال کے بعد اسلام کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا اور بات بالکل اُلٹ گئی۔

اور یوں " مساوات مذہب" اور " ترجیح بلا مرجح " رواداری و انصاف کا سارا دعویٰ انتہائی تعصب کی شکل میں بدل گیا اور جب کبھی جس ملک اور قوم میں اس قسم کے دعاوی

اعلان کیا گیا ہے اس کا آخری انجام یہی ہوا ہے، ملا صاحب کی عینی شہادت ہے کہ
رواداراکبر، صلح کل والے اکبر کی ذہنیت کا آخری حال یہ تھا کہ:-

ہر کرا نہ بر وفق اعتقاد خویش می یافتند کشتنی و مردود و مطرود ابدی می دانستند و نام وی فقیہ ماندند۔ ص ۳۳۹	جس کسی کو اپنے اعتقاد کے موافق نہ پاتے تھے وہ بادشاہ کے نزدیک کشتنی اور پھٹکارا ہوا شمار ہوتا تھا اور اس کا نام "فقیہ" رکھدیا جاتا تھا

اور ملا صاحب کے سامنے

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ وناز	بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

حالانکہ اس میں کوئی بوالعجبی نہیں ہے، ہمیشہ الحاد وارتداد کی بنیاد "رواداری"
کے نرم و دل کش دعوی پر قائم کیجاتی ہے لیکن اس مسلک کے سلوک کی آخری منزل
وہی ہے جہاں بالآخر اکبر پہونچ گیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ اب یہ قاعدہ مقرر کردیا گیا کہ اسلام کے سوا تمام دوسرے مذاہب کے
اصول و فروع کا مطالعہ کیا جائے اور ترجیح و عمل کا ذریعہ عقل کے فیصلہ کو ٹھیرایا گیا
جیسا کہ ملا صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے خود اکبر شب و روز اسی اُدھیڑ بن میں
مصروف رہتا تھا لیکن اکیلے کہاں تک خود کام کرسکتا تھا اور متفرق طور پر مختلف لوگوں
کی کوششوں سے بھی کسی مستقل "نظام" کی تکمیل ناممکن تھی اور وہی کمیٹی وانجمن جس
کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ یورپ کے عہد تجدید کا نتیجہ ہے لیکن ملا صاحب تبلاتے
ہیں کہ اکبر مذہب کو بھی ریزولیوشن کے خراد پر چڑھا کر رہا۔ چالیس آدمیوں کی ایک
کمیٹی مقرر کی گئی۔ اور

حکم کردند کہ از مقربان چہل کس بعدد چہل تن	بادشاہ نے حکم صادر کیا کہ چہل تن کے حساب سے

بہ نشینند و ہر کس ہر چہ داند بگوید و ہر چہ خواہد پرسد۔ ص۳۰۸

خاص خاص لوگوں میں سے جن کو بادشاہ سے قرب حاصل تھا چالیس آدمی ایک جگہ بیٹھا کریں اور اس مجلس میں جو شخص جو کچھ جانتا ہو اُس کا اظہار کرے اور جس قسم کے سوالات کرنا چاہے کرے۔

چہل تن کی اس مجلس میں مسائل پیش ہوتے تھے اور پھر عقل سے اس کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ البتہ اس کمیٹی کی ایک یہ خصوصیت بھی تھی کہ اسلامی عقائد و اعمال کے متعلق

شبہات گوناگوں بہ تمسخر و استہزاء آوردہ اگر کسے در عوض جواب شد جواب ہمہ منع بود ص۳۰۷

طرح طرح کے شبہے ہنسی مذاق کی شکل میں پیش کئے جاتے۔ اور اگر کوئی بیچارہ جواب دینے کا ارادہ کرتا تو جواب سے روک دیا جاتا۔

آزاد کمیٹیوں کا یہ عارضہ گویا نیا عارضہ نہیں ہے۔ "سب کچھ بول سکتے ہو اور کچھ نہیں بول سکتے۔" اس تناقض کا کتنا اچھا ثبوت آج بھی قومی اور حکومتی جلسوں میں ملتا رہتا ہے یہ تھی اکبر دی گریٹ کی مسلمہ رواداری۔ اور بیچارے اکبر کو کیا کہا جائے آج بھی مسلک "صلح کل" اور "رواداری" کے مدعیوں کا جو تجربہ ہو رہا ہے کیا اس سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی۔ لیکن سب کچھ سُننے اور سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی جو سُننا نہ چاہتے ہوں اور دیکھنے سے آنکھیں میچتے ہوں اُن سے کیا کہئے کہ بہت جلدی خود اُن کو

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِىْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ

اگر ہم سُنتے یا ہم سمجھتے تو دوزخ والوں میں نہ ہوتے۔

کہنا ہی پڑے گا۔

بہر حال یوں تو "اسلام" کے سوا دیگر ادیان و مذاہب کے عناصر کا انتخاب کیا جاتا

اور اس ذریعہ سے دینِ آلہی کی تعمیر ہو رہی تھی۔ اس ذیل میں یہ واقعہ ہے کہ پیش شدہ مذاہب میں سے سب ہی سے کچھ نہ کچھ لیا جاتا تھا۔ مثلاً عیسائیوں سے بقول ملا صاحب

نواختن ناقوس نصاریٰ و تماشائے صورت ثالث ثلاثہ بلبلان کہ خوش گاہ ایشان است و سائر لہو و لعب وظیفہ شد۔ ص ۳۰۲	نصاریٰ سے گھنٹہ بجانے اور ثالث ثلاثہ (باپ بیٹا روح القدس) کی صورت دیکھنا اور بلبلان جوان لوگوں کی خوش گاہ کا نام ہے

اور ایسی ہی دوسری کھیل کود کی باتیں بادشاہ کے وظیفہ میں داخل ہو گئیں تھیں۔

واللہ اعلم بالصواب "بلبلان" کیا چیز ہے؟ "خوش گاہ ایشاں است" سے جو تفسیر کی گئی ہے بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "بال گھر" وغیرہ کا یہ کوئی بگڑا ہوا لفظ ہے اسی طرح ملا صاحب نے جہاں یہ لکھا ہے کہ "مدار دین بر عقل گذاشتند" اسی کے بعد اُن کا یہ فقرہ ہے۔

آمد و رفت فرنگیاں نیز شد و بعضے اعتقادیات عقلی ایشاں را فرا گرفتند ص ۳۱۲	فرنگیوں کی آمد و رفت بھی شروع ہو گئی تھی اور بعض عقلی اعتقادات بادشاہ نے اُن سے حاصل کیے۔

اِس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس "عقلیت" کی آندھی کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ مغربی تسلط کے بعد ہندوستان میں آئی درحقیقت وہ اس سے دو صدی پیشتر دھمک چکی تھی۔ شاید وحی و نبوت معجزات و کرامات وغیرہ کے انکار کی بنیاد "آمد و رفت فرنگیاں" پر ہی بنی ہو۔ گویا ریشنلزم (عقلیت) جسے خود اب یورپ کے ایگناسٹک (ارتیابی) سراسر بد عقلی قرار دے چکے ہیں۔ ہندوستان کیلئے یورپ کا یہ تحفہ کوئی جدید تحفہ نہیں ہے مغربی فلسفہ کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی زمانہ تھا کہ جب گھولک نظام کو

تنگ آکر کمزور اعصاب والوں کا غضبناک گروہ یورپ میں پیدا ہوکر سراسر "مذہبی بنیادوں"
پر جاؤ بیجا طریقوں سے پیہم حملے کر رہا تھا۔ اور نادانی سے اس عہد کے لوگوں نے منافرت
کی اس پیداوار کا نام "فلسفہ" رکھدیا تھا۔

اسی طرح پارسیوں کی بھی بعض باتیں قبول کی گئی تھیں اور جیسا کہ گذر چکا،
شاہی محل میں انہیں کے مشورہ سے ایک "دوامی آتشکدہ" علامہ ابوالفضل کی نگرانی
میں قایم کردیا گیا تھا۔ ملا صاحب نے لکھا ہے کہ آگ "آیتے است از آیات خدا و نوریست
از انوار وے" قرار دیگئی تھی اور ہون کی رسم جو پارسیوں سے پہلے بھی شاہی محل میں
"دختران راجہائے ہند" کی وجہ سے انجام دیجاتی تھی اُس میں اِس آتشکدہ کے قیام سے
اور اضافہ ہوگیا۔ خود بادشاہ علانیہ آتش پرستی کرتا تھا۔ اور

مقربان نیز در وقت افروختن شمع و چراغ
قیام لازم می ساختند۔ ؎

اور بادشاہ کے مقربین بھی شمع و چراغ کے
روشن ہونیکے وقت قیام کرنا اپنے لئے
فرض قرار دئے ہوئے تھے۔

یہ تھے وہ اجزار جو نصرانیوں اور مجوسیوں کے دین سے اِس "جدید مذہب"
میں شریک کئے گئے تھے لیکن سچ یہ ہے کہ سب سے زیادہ اس "دین" پر جس مذہب کا اثر
پڑا تھا وہ وہی مذہب تھا جس کو "ہندی قومیت" کی تعمیر کے سلسلہ میں سب سے زیادہ
اثر انداز ہونا قدرتی طور پر ضروری تھا، یوں تو اس مذہب کے علماء اور پیرووں سے دربار
بھرا پڑا ہوا تھا اور جیسا کہ مُلّا صاحب کا بیان ہے کہ بادشاہ کو

از صغر سن از ربطے کہ مختلف از براہمہ با دفروشان
وسائر اصناف ہندوان ربطے خاص التفاتے

بادشاہ کو بچپن ہی سے ہندوستان کی
مختلف قوموں مثلاً برہمنوں بھاٹوں سے

تمام است ص ۱۶۱ اور ازیں قبیل دوسری ہندی جماعتوں سے
خاص ربط اور ان کی طرف فطری میلان تھا۔
ماسوا اس کے:۔

دختران راجہائے عظیم ہند کہ خیلے بتصرف آوردہ بودند تصرف در مزاج کردہ ص	ہندوستان کے بڑے راجواڑوں کی لڑکیاں جنہیں بادشاہ اپنے تصرف میں لا چکا تھا

ان عورتوں کو بھی بادشاہ کے مزاج میں خاصہ دخل ہو گیا تھا۔
اور اسی کے ساتھ کالپی کا ایک برہمن جس کا نام برہمداس تھا اور جسکو پہلے "کب رائے"
یعنی "ملک الشعراء" کے خطاب سے سرفراز کیا گیا تھا اور بعد کو وہی "بیربل" (بہادر) کے
نام سے مشہور ہوا۔ بادشاہ کے مزاج میں یہ بہت دخیل ہو گیا تھا۔ اکبر و بیربر کے تعلقات
اس درجہ پر پہنچے ہوئے تھے کہ آج تک ان کے چرچوں سے ہندوستان کے گلی کوچے
معمور ہیں۔ ملا صاحب نے اگر اسکے متعلق یہ لکھا کہ بادشاہ سے اس کا تعلق "لحمک لحمی و دمک دمی"
کا سا ہو گیا تھا تو اس میں کیا تعجب ہے۔ اور آخر میں اسی بیربل کی سفارش سے ایک
بڑا فلسفی برہمن جس کا نام دیوی تھا، بادشاہ کے قریب معزز ہوا۔ بتدریج اس برہمن کا
اثر اکبر پر یہاں تک پڑا کہ رات کو بھی جب شاہی خوابگاہ میں چلا جاتا تھا۔ دیوی برہمن
سے ملنے کیلئے بیچین رہتا تھا۔ معلوم نہیں کہ خاص اسی برہمن کیلئے یا کسی اور وجہ سے
اکبر نے ایک لفٹ (جھولا) تیار کیا تھا جس پر بیٹھنے والا بیٹھ جاتا اور اوپر کھینچ لیا جاتا
جہاں وہ خاص شاہی خوابگاہ میں پہونچ جاتا تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں

چند گاہے دیوی برہمن کہ از معبران مہابھارت بود بر چارپائی نشاندہ و بالا کشیدہ نزدیک	ایک زمانہ تک دیوی برہمن جو مہابھارت کا کتھا کہنے والا تھا۔ اسکو چارپائی پر اوپر کھینچ

بقصرے کہ آن را خوابگاہ ساختہ بودند معلق داشتند از وے اسرار و افسانہائے ہندی و طرق عبادت اصنام و آتش و آفتاب و تعظیم کواکب و احترام اساطین کفرہ از برہما و مہادیو و بشن و کشن و مہامائی ...... شنیدہ باین جانب گرائیدند ص ۲۸۸

لیا جاتا تھا جو اس قصر کے پاس تھا جس کو بادشاہ نے اپنی خواب گاہ بنایا تھا اور اس سے ہندوستانی قصے اور اس کے اسرار نیز بتوں کے آفتاب کے، آگ کے، پوجنے کے طریقے ستاروں کی تعظیم کے آداب، کافروں کے جو بڑے لوگ گزرے ہیں مثلاً برہما۔ مہادیو، بشن، کشن، مہامائی وغیرہ کے احترام کی صورتیں سنتا اور پھر انکی جانب مائل ہوتا اور انکو قبول کرتا

اسی طرح پرکو تھم نامی برہمن بھی بادشاہ سے بہت زیادہ ہل مل گیا تھا۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ زیادہ تر "دین اکبری" میں ان ہی لوگوں کے عقائد و اعمال و رسوم طریقوں کو جگہہ ملی۔

کلام طویل ہو گیا۔ مگر جب تک تاریکی سامنے نہو نور کی قدر نہیں ہوتی، قدرِ عافیت وہی سمجھ سکتا ہے جو مصائب کا بھی تجربہ کر چکا ہو۔

گذشتہ تحریر نے واضح کر دیا کہ عہد اکبری اگرچہ مغل شہنشاہیت کا زمانہ تھا۔ مگر ملت اسلامیہ کو چار فتنوں نے گھیر رکھا تھا۔

(۱) علماء سوء کا فتنہ۔ (۲) فتنۂ اکبری (۳) روافض (۴) ہندو یا عیسائی وغیرہ۔

فتنوں کی گنتی چار پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ "الف ثانی" یعنی دوسرے ہزارہ کے متعلق بھی کچھ ایسی روایات پیدا ہو گئی تھیں جو بجائے خود مستقل فتنہ بن گئی تھیں اور بہت ممکن ہے کہ لفظ مجدد کے ساتھ "الف ثانی" کا لفظ انہیں دجل آمیز روایات کی اصلاح کیلئے اضافہ کیا گیا ہو

اس سلسلہ میں بھی ہم مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کی تحریر پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں۔

الف ثانی کا نظریہ اور دین الٰہی کی تدوین

عجیب بات ہے کہ تاریخوں میں اس نظریہ کا ذکر کنائے اشارے میں نہیں بلکہ کھُلے کھُلے لفظوں میں بکثرت کیا گیا تھا۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ پچھلے مؤرخین نے اس کے ذکر میں تساہل سے کیوں کام لیا حالانکہ ہمارے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی تجدید کی اضافت جو "الف ثانی" یعنی اسلام کی مدت عمر کے دوسرے ہزار سال کی طرف ہے، جہاں تک میرا خیال ہے اور انشاء اللہ اسکی تفصیل آیندہ آتی ہے۔ اس کا زیادہ تر تعلق اکبر کے اسی نظریے معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال میں واقعات درج کرتا ہوں، نتیجہ تک ہر شخص خود بہ آسانی پہنچ سکتا ہے چونکہ التزاماً اس سلسلہ میں جو کچھ بھی لکھ رہا ہوں مُلا عبدالقادر ہی کی کتاب سے لکھ رہا ہوں اس لئے اس مسئلہ میں بھی میرا مواد ان ہی کی تاریخ تک محدود رہے گا۔

مُلا صاحب فرماتے ہیں:۔

چوں در زعم خویش مقرر ساختند کہ ہزار سال از زمان بعثتِ پیغمبر اسلام علیہ السلام کہ مدت بقاء این دین بود تمام شدہ، ہیچ مانعے برائے اظہار دواعی خفیہ کہ در دل داشتند نماند و بساط از مشائخ و علماء کہ صلابت و مہابت داشتند و ملاحظہ تمام از آنہا بکسے خالی نماند بفراغ بال در صدد ابطال احکام

بادشاہ نے یہ خیال پکایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدت عمر کل ایک ہزار سال تھی جو پوری ہو گئی، بادشاہ کے دل میں اسکے بعد اُن منصوبوں کے اظہار اور اعلان میں اب کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی جو اپنے دل میں انہوں نے گانٹھا تھا، ادہر ایسے علما جن کا کچھ رعب و داب تھا ان سے

ارکان اسلام و بند و بست ضوابط و قواعد نو مہمل و مختل ترویج بازار افساد اعتقاد در آمد ص ۲۹۱

بھی بساط خالی ہو چکی تھی، پھر کیا تھا- اس کے بعد تو بادشاہ خوب کھیل کھیلے اور اسلامی احکام ارکان کے ہدم و بربادی، ان کی جگہ نت نئے اپنے ساختہ پرداختہ قوانین کی ترویج میں مشغول ہوئے جس کے بعد عقائد کی بربادی کا بازار گرم ہوا۔

یہ تھا وہ نظریہ جس کا نام میں نے "نظریۂ الف ثانی" رکھا ہے - اور صرف نظریہ پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ اس کے اعلان عام کا ذریعہ یہ اختیار کیا گیا کہ سکہ کا نام "سکۂ الفی" رکھا گیا - اور اس پر "الف" ہی کی تاریخ ثبت کی گئی - ملا صاحب لکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا تجویز کے بعد:-

اول حکمے کہ فرمودند این بود کہ در سکہ تاریخ الف نویسند ص ۳۰۱

پہلا حکم جو دیا گیا یہ تھا کہ سکہ میں "الف" (ہزار) کی تاریخ لکھی جائے۔

پھر دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

در تنکہا و مہرہا تاریخ الف نوشتند کہ بایں اعتبار مشعر باشد از انقراض دین مبین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ بیش از ہزار سال نخواہد بود ص ۳۰۶

ٹنکوں اور اشرفیوں میں الف کی تاریخ لکھوائی گئی اور اس سے ادھر اشارہ کرنا مقصود تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین مبین کی عمر جو ہزار سال تھی وہ پوری ہو گئی

ظاہر ہے کہ سکہ ہی ایسی چیز ہوتی ہے جس کی ہر خاص و عام تک رسائی ناگزیر ہے - کتابوں، اخباروں، رسالوں سب سے زیادہ کارگر تدبیر اشتہار کی اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی تھی اور غالباً یہی وجہ تھی کہ پہلے سلاطین کے جتنے سکے اور خود اپنے زمانہ کے دوسرے سکوں کو سخت ترین احکام و فرامین کے ذریعے اکبر نے گلوا دیا تھا صرف

ایک ہی سکہ باقی رکھا تھا لیکن بات اسی پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ایک کتاب بھی "تاریخ الفی" کے نام سے اکبر نے تالیف کرائی جس کی ترتیب و تدوین کا کام چند علما کے سپرد ہوا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں۔

و درین سال حکم شد کہ چون ہزار سال از ہجرت تمام شد و ہمہ جا تاریخ ہجری می نویسند حالا می باید کہ تاریخ تالیف باید کرد کہ جامع جمع احوال بادشاہان اسلام تا امروز کہ در معنی ناسخ تاریخہائے دیگر باشد و نام او الفی نہند و در ذکر سنوات بجائے ہجرت لفظ رحلت نویسند۔

اسی سال یہ حکم ہوا کہ ہجرت سے چونکہ ہزار سال پورے ہو گئے اور لوگ ہر جگہ تاریخ ہجری لکھتے ہیں اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسی تاریخ مرتب کیجائے جو اُن تمام سلاطین کے حالات پر حاوی ہو جو ابتدا سے ابتک اسلام میں گذرے ہیں جس کے دوسرے معنی یہ تھے کہ ایسی تاریخ لکھوائی جائے جو دوسری تمام تاریخوں کی ناسخ ہو اس تاریخ کا بادشاہ نے "الفی" نام رکھا۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ سنوں کے ذکر میں بجائے ہجرت کے رحلت کا ذکر کیا جائے۔

مطلب یہ تھا کہ اپنے زمانہ کی حد تک تو سکہ کا طریقہ اشتہار کے لئے مفید تھا لیکن اس کے بعد پھر اسکی یاد دہانی کا ذریعہ کوئی اور ہونا چاہیے۔ اس کے لئے تاریخ الفی کا ذریعہ اختیار کیا گیا۔

اکبر تک یہ نظریہ کس طرح پہونچا خود اس کے اپنے دماغ نے یہ ایجاد کی یا اس کے پیچھے جو "فرنار" لگائے گئے تھے، یہ ان کی تسویل و تزویر تھی صحیح طور پر اس کا پتہ نہیں چلا، لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس نظریہ کی تائید میں دلائل کا ایک انبار جمع کر دیا گیا تھا۔ مُلّا صاحب لکھتے ہیں:۔

درین سال اسافل و اراذل عالم نمائے جاہل تعاضد دلائل باطل نمودہ بریں آوردند کہ حالا صاحب زمانے کہ رافع خلاف و اختلاف ہفتاد و دو ملت از مسلم و ہنود باشد حضرت اند۔ ص۳۷۹	اسی سال چند ذلیل ادنیٰ درجہ کے لوگ جو عالم نما جاہل ہیں انہوں نے دلیلوں کا پشتہ اس دعوے کے متعلق باندھ دیا کہ وقت اُس صاحبِ زمان کا آگیا ہے جو "ہندو اور مسلمانوں" کے بہتر فرقوں کے اختلاف کا مٹانیوالا ہوگا

اور اس صاحبِ زمان کی ذات خود حضرتِ بادشاہ کی ہے۔ مولانا مناظر احسن صاحب فرماتے ہیں۔

اِس عبارت سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دین الٰہی کی بنیاد کیا تھی۔ آج جس "نظریہ" کو "قومیت" کے نام سے روشناس کیا جا رہا ہے عمل کو نہ دیکھیئے۔ الفاظ کی حد تک کیا اس کی تعبیر اس سے زیادہ الفاظ میں کی جا سکتی ہے۔ اس "نظریہ" نے بالآخر جو رنگ اختیار کیا۔ قدرت نے غالباً ہماری عبرت کیلئے اس کا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے گذار بھی دیا لیکن کون ہے جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ پاک پر اس آواز کو پہنچائے کہ آپ جس فتنہ کو دیکھ دیکھ کر یا ویلاہ یا مصیبتاہ کے ساتھ عمر بھر چیختے رہے، آج ہندوستان کے مسلمانوں کو پھر وہی دہوکہ دیا جا رہا ہے اور ستم یہ ہے کہ وہ دھوکا کھا رہے ہیں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے تین سو سال پیشتر "ہندی قومیت" کے ان ہی علمبرداروں کے باطنی ارادوں اور پوشیدہ نیتوں کا اعلان ان لفظوں میں کیا تھا۔

کار این نابکاران استہزاء و سخریہ است

بہ اسلام و اہل آن منتظر اند کہ اگر قابو یابند مارا از اسلام بر آرند یا ہمہ را بقتل رسانند یا بکفر باز گردانند ص۱۶۶	ان لوگوں کا ہر کام صرف اسلام کے ساتھ مذاق اور ٹھٹھا اڑانا ہے یہ لوگ اس کے منتظر ہیں کہ ان کو قابو حاصل ہو جائے تو ہم (مسلمانوں کو)

ع۔ یہ مضمون اگرچہ موضوع بحث سے زیادہ تعلق نہیں رکھتا مگر موجودہ زمانہ کے سیاسی مباحث اس

یا اسلام سے جدا کرلیں یا سب کو قتل کر ڈالیں یا پھر سب کو کفر کی طرف پلٹائیں۔

یہ ہے پوشیدہ مقاصد کی شش صد سالہ تاریخ انّ فی ذلک لعبرۃ۔

آج جبکہ مغربی قومیت کی تیز آندھیوں نے ان دبی چھپی چنگاریوں کو تیز ہوا دیکر مختلف تدبیروں سے شعلہائے جہنم بنا دیا ہے لیکن "معصوموں" کا ایک گروہ ہے جو باوجود "قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ" یہی سمجھ رہا ہے کہ یہ معاملہ "اصغر" بھی نہیں بلکہ "صفر" ہے، چند ہوا پرستوں کی صرف بدگمانیاں یا بدنفسیاں ہیں بہرحال اس نظریہ کی تائید میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں آج تو ان کو صرف عقلی رنگ سے رنگا جاتا ہے لیکن اسوقت علاوہ "عقلیت" کے "الہام اور پیشگوئی" کی قوت بھی بھری جاتی تھی۔ ملا صاحب کا بیان ہے۔

برہمنان شعرہائے ہندی را از زبان دانایان سابق نقل کردہ می گذرانیدند باین مضمون کہ پادشاہ عالمگیرے در ہند پیدا شود کہ برہمنان را احترام کند و حفاظت گاؤ نماید و گیتی را بعدل نگاہبانی کند و در کاغذہائے کہنہ آن خرافات را نوشتہ می نمودند و ہمہ باور افتاد (ص ۳۲۶ ج ۲)

ہندوستان کے قدیم دانشمندوں کے نام سے (اس زمانہ میں برہمن ہندی اشعار نقل کر کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے جن کا مضمون یہ ہوتا تھا کہ جہان کا فتح کرنیوالا ایک بادشاہ ہندوستان میں پیدا ہوگا جو برہمنوں کی بڑی عزت کریگا اور گائے کی حفاظت کریگا اور عالم کی نگرانی انصاف کے ساتھ کریگا (ملا صاحب لکھتے ہیں کہ) پرانے کاغذات پر ان خرافات کو لکھ کر بادشاہ کو دکھایا کرتے تھے اور بادشاہ ان کو صحیح خیال کرتا تھا۔

سنا جاتا ہے کہ آج بھی برہمنوں کی ایک بڑی جماعت پرانے کاغذات اور

تانبے کے پتروں پر حسب مطالب مضامین لکھ لکھ کر زمین میں دفن کرتی ہے اور پھر کچھ دن کے بعد "ڈیسکوری" کے نام سے آسمان وزمین کو سر پر اٹھا لیا جاتا ہے اور ان ہی وثیقوں سے آج ہندوستان کی تاریخ مرتب ہو رہی ہے۔ ایک معتبر راوی نے مجھ سے حال ہی میں بیان کیا کہ "پونہ" کے علمی حلقوں میں اس نوعیت کے تحقیقی کاموں کا زیادہ روز ہے۔ خیال گذرا تھا کہ شاید وہاں کے برہمنوں کی کوئی "نئی اپج" ہے مگر ما اصاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اگلا پرانا دستور ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس قدامت پرست قوم کے پاس کوئی نئی چیز آخر کس طرح پیدا ہو سکتی ہے

بہر حال "ہندو مسلم" کے رفع خلاف کیلئے ایک طرف اندرونی طور پر یہ کارروائی ہو رہی تھی اور کہا کہوں مگر بے کہے رہا بھی نہیں جاتا کہ ٹھیک جس طرح اسی "ہندو مسلم اختلاف" کے رفع کیلئے یا "ہندی قومیت" کے لئے غیر تو جو کچھ کر رہے ہیں، کر ہی رہے ہیں لیکن اپنوں کی بھی ایک جماعت ہے جو پوری قوت سے اسکی تائید و اثبات کیلئے آستینیں چڑھائے ہوئے ہے۔ اسی طرح اسوقت بھی ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا جس میں بدقسمتی سے

سلہ یورپ کی مقابل اور حریف طاقتیں ایک دوسرے کی نوآبادیات میں بغاوت پھیلانے کیلئے قومی عصبیت کو بر روئے کار لا رہی ہیں حتیٰ کہ عربوں کو اسی عصبیت کی بنا پر ترکوں سے باغی بنایا، اور ۳۸ء میں جرمنی نے اسی قومیت کے نام پر "یوگوسلاویکیا" کے حصے بخرے کر دئے وغیرہ وغیرہ، ہندوستانی بھی آج اسی حربہ کو کام میں لا کر استخلاص وطن کی جدوجہد کر رہے ہیں اور جب کہ یورپ کی تلقین کے بموجب اقوام عالم کی تقسیم مذاہب پر نہیں بلکہ جغرافیائی لاسوں پر کیجا رہی ہے تو لامحالہ باشندگان ہند ایک ایسی قوم قرار دئے جا سکتے ہیں جو یورپ سے سات سمندر پار کا فاصلہ رکھتی ہو اور حاکمیت کا اقتدار اٹلی برطانوی شہنشاہیت کے بجائے خود اُس کے ہاتھ میں ہو، یہ ہے وہ نکتہ جس کو استخلاص وطن کے "مجاہد" اپنا لائحہ عمل بنائے ہوئے ہیں، یہ ایک مستقل سوال ہے کہ کہ ہندوستانیوں کی جو متحدہ قومیت برطانیہ کے مقابلہ پر بنائی جائے تو آیا وہ اپنے اندر مذہب اور کلچر کا تفاوت رکھتی ہو یا نہیں بیشک ایک جماعت اکبر کے نقش قدم چلتے ہوئے مذہبی امتیازات

زیادہ تر اسی جماعت کے افراد شریک تھے۔ جو آج بھی اس نظریہ کے قبول کرنے میں عام مسلمانوں
سے دس قدم آگے نظر آرہے ہیں۔ ملا صاحب کا بیان ہے کہ کوئی صاحب حاجی ابراہیم صاحب
سرہندی تھے جن کا ذکر اس کتاب میں مختلف مواقع پر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ
مولوی آدمی تھے۔ اکبر کے زمانہ میں صوبۂ گجرات کی صدارت پر سرفراز تھے، آپ نے گجرات سے
جو تحفے بادشاہ کے پاس بھیجے تھے۔ اُن میں ایک تحفہ یہ بھی تھا۔

عبارتے جعلی از شیخ ابن عربی قدس سرہ در ایک جعلی عبارت حضرت شیخ ابن عربی قدس سرہٗ

کو اُٹھا دینا چاہتی ہے۔ لیکن علمار ملت کی مجاہد اور سرفروش جماعت بھی آیا خلط مبحث کو گوارہ
کر سکتی ہے؟ اِس کا جواب نفی میں ہے چنانچہ ان ہی اکابر نے کانگریس کے ساتھ جمعیۃ العلماء بھی
قائم کر رکھی ہے جس کا اہم مقصد یہی ہے کہ کانگریس کی انقلابی تجاویز پر مذہب کی روشنی میں تبصرہ کرتے
ہوئے مسلمانوں کی رہنمائی کرے چنانچہ دنیا شاہد ہے کہ جمعیۃ العلما جب بھی کانگریس کا ساتھ دیتی ہے تو پہلے مذہبی
اور ٹھیٹ فقہی اصول پر اُس چیز کو پرکھ لیتی ہے۔ اس حقیقت کے ہوتے ہوئے مولانا مناظر احسن صاحب
جیسے بزرگوں کا یہ نوحہ بے معنی رہ جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کے سوا آخر چارہ کار کیا ہے، ایک مسلمان کبھی بھی
انگریز کی غلامی پر قناعت نہیں کر سکتا ہاں اسکو ہندو کی غلامی یا اکبر جیسی متحدہ قومیت سے بھی انکار ہے، تو
اب انگریز کی حمایت یا استخلاص وطن کی جدوجہد سے پہلوتہی کے بجائے اُس کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ استخلاص
وطن کی جدوجہد کیساتھ جمعیۃ العلما کی تقویت زیادہ سے زیادہ کرے اور جس طرح وہ انگریز کے مقابلہ پر ہندوستانیوں
کا ایک آزاد محاذ قائم کرے اسی طرح ہندو کے مقابلہ پر مسلمانوں کا بھی ایک مذہبی محاذ قائم کرتا چلے، بلاشبہ
ارکان جمعیۃ ان دونوں فرائض کو انجام دے رہے ہیں۔ اب اگر عام مسلمان یا مولانا مناظر احسن صاحب
جیسے علمار اُن کی صدا پر لبیک کہنے کے بجائے انگریز کے قدموں پر گرتے ہیں یا خاموش گوشہ نشینی کو
پسند کرتے ہیں تو بتایئے قصور کس کا ہے؟ ..... اور کیا ایسے مسلمانوں کی بقار کا کوئی ذمہ لے
سکتا ہے جو اپنی قبر اپنے ہاتھوں کھود رہے ہوں (معاذ اللہ) مفصل بحث اِن شاء اللہ آگے آئیگی

کتاب کہنہ وکرم خوردہ بخط مجہول نوشت
کہ "صاحب زمان" زنان بسیار خواہد داشت
وریش تراش خواہد بود و صفتے چند کہ در
خلیفۃ الزمان بود درج کرد ص۲۷۸ ج ۲

کی ایک پرانی کرم خوردہ کتاب ہے نامانوس حروف
میں نقل کرکے بھیجی جس کا مطلب تھا کہ "صاحب
زمان" کے پاس بہت سی عورتیں ہوں گی
اور وہ ڈاڑھی منڈا ہوگا، اسی طرح کے چند
صفات جو "خلیفۃ الزمان" میں تھے اس میں درج تھے۔

اگرچہ برہمنوں کی طرح ان کی بات نبھ نہ سکی اور یہ حادثہ اکثر اس گروہ کیساتھ
پیش آتا ہے۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ:۔ "آن جعل ولباس ظاہر شد"

ایک اور "مولوی صاحب" تھے۔ جن کا ذکر ملا صاحب نے مولانائے خواجہ شیرازی
کے لقب سے کیا ہے، ان مولانا صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:۔

از مکہ معظمہ رسالہ از شرفا آوردہ کہ در
احادیث صحاح ہفت ہزار سال کہ مدت
ایام دنیاست سپری شدہ حالا وقت ظہور
مہدی موعود است وخود ہم رسالہ
ترتیب دادہ گذرانید ص۲۸۷

شرفا کے پاس سے یہ مکہ معظمہ سے ایک رسالہ
لائے کہ صحیح حدیثوں میں دنیا کی پوری
مدت عمر سات ہزار سال ہے اور یہ مدت
پوری ہوچکی پس یہی وقت اس مہدی کے
ظہور کا ہے جن کا وعدہ کیا گیا ہے۔ خود
ان مولانائے خواجہ شیرازی صاحب نے بھی اس موضوع پر ایک رسالہ مرتب فرمایا۔

ملا صاحب لکھتے ہیں کہ اس تحریک کی تائید میں صرف سنی علماء ہی کے افراد شریک
نہیں ہوئے تھے بلکہ شیعی علماء کے بعض افراد بھی:۔

از امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نقل کردہ ص۲۸۷

اکبری عہد کے ایک شیعہ عالم ملا شریف آملی بھی تھے۔ ص۱۵۔ تالیف وتصنیف بھی

ملا صاحب نے ان کا ایک طویل تذکرہ درج کیا ہے۔ انہوں نے محمود بسخوانی جو تیموری عہد کا ایک مشہور شطح نویس مصنف گذرا ہے۔ اس کتاب سے بھی یہ مضمون نکالا کہ

در سال نہ صد و نود بردارندہ باطل شخصے	نو سو نوے ۹۹۰ ہجری میں باطل کا مٹانیوالا
خواہد بود و ہم تعبیر از "صاحب دین حق"	ایک شخص پیدا ہوگا، صاحب دین حق سے
تشخیص کردہ بحساب جمل نہ صد و نود است ص ۲۷	اکی تعبیر کی گئی - اور جمل کے قاعدہ سے

وہی نو سو نوے، عدد نکلے گئے۔

ان سب کے علاوہ ناصر خسرو کی دو رباعیاں بھی اسی نظریہ "الف ثانی" کی تائید میں پیش کیجاتی تھیں - پہلی رباعی یہ ہے

در نہ صد و ہشتاد نہ از حکم قضا　　آیند کواکب از جوانب یک جا
در سال اسد، ماہ اسد، روز اسد　　از پردہ بروں خرامد آن شیر خدا

اور "آن شیر خدا" سے مراد اکبر کی ذات تھی، دوسری رباعی یہ ہے۔

در نہ صد و تسعین دو قراں می بینم　　وز مہدی و دجال نشان می بینم
یا ملک بدل گردد یا گردد دیں　　سرے کہ نہان است عیاں می بینم

بہر کیف اکبر کے زمانہ میں اتفاقاً اسلام کی عمر کے ہزار سال کا گذرنا ایک ایسا واقعہ بنا لیا گیا جس پر "الف ثانی" کے نظریہ کی یاروں نے بڑی بڑی تعمیریں کھڑی کردیں اور مستقل طور پر طے کر دیا گیا کہ "محمدی اسلام" کی عمر پوری ہوگئی بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی اضافہ کر دیا گیا کہ بالفرض اگر نہ بھی پوری ہوئی (جیسا کہ ملا صاحب کا بیان ہے) جب بھی

درین سال شیخ مبارک در خلوت بحضور	ملا مبارک نے بیربر سے بادشاہ کیسامنے
بادشاہ بیربر گفت کہ چنانچہ در کتب شما	خلوت میں مخاطب کرکے کہا کہ جس طرح

تحریفات است در دین مانیز تحریفات بسیار رفتہ واعتمادے نماند صـ۳۱۲
تمہارے دین میں تحریفیں ہوئی ہیں اسی طرح ہمارے مذہب میں بکثرت تحریفیں ہوئی ہیں جن کی وجہ سے اب اس مذہب پر بھی اعتماد باقی نہیں رہا۔

ایک مقدمہ یہ ہوا۔ اور دوسرا اسی کے بعد:۔

مدت ہزار سال از ہجرت تمام شد" صـ۲
اور ہجرت سے اسوقت تک ایکہزار سال کی مدت بھی پوری ہوچکی ہے۔

نتیجہ ظاہر ہے کہ اب کسی جدید آئین کی ضرورت ہے۔ لیکن جدید آئین کی بنیاد کیا ہونی چاہیئے۔ گذرچکا کہ "ہندو مسلم" اختلاف کو رفع کرنا، اب سلیئے کہ اس پر جدید حاشیہ آرائی کیا ہوئی۔

عقلا در ہمہ ادیان موجود ومہیا اند وارباب ریاضات وکشف وکرامات در کل طوائف انام پیدا وحق ہمہ جا دائر پس انحصار آن در یک دین ویک ملت کہ نو پیدا شدہ ہزار سال ہرو نگذشتہ باشد چہ لازم واثبات یکے ونفی دیگرے ترجیح بلا مرجح از کجا۔ صـ۲۵۶۔
تمام مذاہب میں عقلمند موجود ہیں اور پائے جاتے ہیں اسی طرح ریاضت ومجاہدہ کشف وکرامات والے بھی دنیا کے تمام لوگوں میں پائے جاتے ہیں اور حق تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ پھر ایک ہی دین وملت میں حق کو کیوں منحصر خیال کیا جاتا ہے اور وہ بھی ایسے دین میں جو نو سو لود ہے

اس پر ابھی ہزار سال بھی نہیں گذرے ہیں۔ آخر ایسے دین میں حق کو منحصر کردینا کیوں ضروری ہے، یقیناً ایک مذہب کو صحیح خیال کرنا اور دوسرے کو غلط ٹھہرانا یہ ترجیح بلا مرجح ہے یعنی بلا وجہ کی ترجیح ہے۔

بہر حال آخر یہ طے کر لیا گیا کہ جدید ملّت کی بنیاد رکھدی جائے۔ ظاہر ہے کہ اکبر کی تکذیبی رفتار اس وقت تک صرف دامان نبوت تک پہونچی تھی۔ الحاد کی آخری منزل تک نہیں پہونچا تھا۔ اس کے دماغ میں ابھی "آلہ" کا تصور باقی تھا اور اسی لئے اس دین جدید کا نام "الٰہی مذہب" رکھا گیا تھا۔ الٰہی مذہب کے لئے عموماً الہام و وحی کی ضرورت ہوتی ہے پھر کیا اکبر نے کوئی اس کا بھی سامان کیا تھا اور کتابوں میں تو شاید اس کا بھی کچھ سُراغ ملتا ہے لیکن مُلّا صاحب باوجودیکہ ایک موقع پر یہ لکھ گئے ہیں

این ہمہ باعث دعوی نبوت شد امانہ یہی باتیں دعوی نبوت کی سبب ہوئیں
بلفظ نبوت بلکہ بعبارت آخر ص ۲۸۷ لیکن "نبوت" کے لفظ کے ساتھ نہیں بلکہ دوسرے لفظوں میں۔

اور ملّا شیری نے بھی اپنے مشہور قصیدہ میں اکبر کی ان بیہودہ کوششوں کا اس ایک شعر میں جواب دیکر کہ:۔

شورش مغز است اگر مہ خاطر آرد جا ہلے کز خلائق مہر پیغمبر جُدا خواہد شدن

آخر میں اُنہوں نے بھی کچھ "نبوت" ہی کے جانب ظریفانہ اشارہ کیا ہے۔

بادشاہ امسال دعوائی نبوت کردہ است گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن

لیکن بجز ایک واقعہ کے جس کا ذکر بدایونی نے بھی کیا ہے کہ نندانہ (پنجاب) سے لوٹتے ہوئے اکبر کو شعر و شکار کا شوق ہوا۔ اور قمرغہ (ہانکنے) کا فرمان دے کر شکار میں مصروف ہوا۔ چار دن تک مسلسل شکار کھیلتا رہا۔ شکاروں کا انبار لگ گیا کہ اچانک ایک درخت کے نیچے:۔

ناگاہ بیک بار حالتے عجیب و جذبۂ عظیم اچانک بادشاہ پر ایک عجیب حالت طاری ہوئی

بر شہنشاہی وارد گشت و تغیر فاحش در وضع ظاہر شد بمشابہ کہ تعبیر ازان ممکن نبود ہر کدام ہر چیزے حمل می کردند ۲۵۳	اور جذبہ عظیم وارد ہوا۔ حالت میں غیر معمولی سا انقلاب پیدا ہو گیا اور ایک ایسی کیفیت تھی جس کی تعبیر ناممکن ہے۔ ہر شخص اپنے

خیال کے مطابق ایک رائے قایم کرتا تھا۔

اکبر پر یہ کس قسم کا حال طاری ہوا تھا ـــ ملا صاحب تو "الغیب عند اللہ" لکھکر نکل گئے لیکن آگے چل کر خود ہی لکھتے ہیں:۔

این خبر در شرق رویہ ہند شہرت یافتہ اراجیف عجیب و اکاذیب غریب در افواہ عوام افتاد ۲۵۳	ہندوستان کے شرقی علاقوں میں بادشاہ کی اس کیفیت کے متعلق طرح طرح کی گپیں اور بیہودہ باتیں مشہور ہو گئیں

بظاہر وحی و کتابیہ کے متعلق جو بعض خبریں مشہور ہیں وہ ان ہی "اراجیف و اکاذیب" پر مبنی ہیں۔ اتنا تو ثابت ہے کہ اس درخت کو "مقدس" قرار دیا گیا ہے۔ اور "طرح عمارت عالی و بلاغ وسیع در آنجا انداختن و زر بسیار لفقرار و مساکین دادہ" اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ "موئے سر را قصر کردند"۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ گیا کے "بول ٹری کی" کی نقل نہ تھی۔ کیا اکبر کو پیپل کے اُس درخت کی خبر نہ تھی جس کے نیچے ہندوستان کے مشہور بانی مذاہب "بدھا" کے ساتھ کچھ اسی قسم کا واقعہ پیش آیا تھا؟ لیکن باوجود "عمارت عالی" و "باغ وسیع" کے سے اے بسا آرزو کہ خاک شدہ ملا شیری نے سچ کہا تھا ؎

شورش منخراست اگر در خاطر آرد جا ہلے	کز خلائق مہر پیغمبر جدا خواہد شدن

بہر حال جہاں تک میرے محدود معلومات کا تعلق ہے، اکبر نے نبوت کا دعوےٰ

اور صاف دعویٰ کبھی نہیں کیا جس کی شہادت ملا صاحب بھی دیتے ہیں۔ لیکن
ایک کوئی تاج العارفین تھے وہ

انسان کامل را عبادت از خلیفۃ الزمان
داشتہ و تعبیر آن بذات اقدس نمودہ
اکثر عین واجب لا اقل و لا عکس آن
فہمانیدہ ؎

انسان کامل خلیفۃ الزمان کو قرار دیتے
تھے اور اکبر کی ذات کو اس کا مصداق
ٹھیرا کر اس کو بجنسہ خدا یا کم از کم خدا کا
عکس ہونا سمجھاتے تھے۔

لیکن پھر بھی جو بات "نبی" بننے میں حاصل ہو سکتی تھی "عین واجب" بننے میں
وہ لطف نہ تھا۔ تاج العارفین کا جس طبقہ سے تعلق تھا۔ اس میں "بادشاہ" تو خیر
ایک چیز بھی ہے۔ ہر فقیر "انا الحق" کا نعرہ لگا سکتا تھا۔ اس لئے اسکو کوئی اہمیت
بھی نہیں دی گئی۔

محررہ بالا طویل تحریر نے فتن و حوادث کی تاریکی کا بہت کافی اندازہ کرا دیا۔ اس تمام
بیان کی اجمالی تصدیق خود حضرت مجدد صاحبؒ کے الفاظ میں بھی ملاحظہ فرمایئے

صلاح بادشاہ صلاح عالم است و فساد
او فساد عالم می دانند کہ در قرن ماضی
(عہد اکبری) بر سر اہل اسلام چہا گذشتہ
است زبونی اہل اسلام با وجود کمال غربت
در قرون سابقہ ازیں نگذشتہ بود کہ مسلمانان
بر دین خود باشند و کفار بر کیش خود، کریمہ
لکم دینکم ولی دین بیان این معنی است

بادشاہ کی درستی سارے عالم کی درستی
ہے اور اسکی خرابی سارے عالم کی خرابی معلوم
ہے کہ گذشتہ قرن (اکبر کے زمانہ میں) اہل
اسلام پر کیا کیا گذری۔ گذشتہ صدیوں
میں (عہد رسالت) میں انتہائی مسکینی کے
باوجود اہل اسلام کی پستی اس سے نہیں
گذری تھی کہ مسلمان اپنے دین پر رہیں

و در قرن ماضی کفار بر ملا بطریق استیلاء اجرا احکام کفر در دار اسلام می کردند، و مسلمانان از اظہار احکام اسلام عاجز بودند واگر میکردند بقتل می رسیدند (مکتوب ۴۷ دفتر اول حصہ دوم ص ۱۵)

اور کافر اپنے طریقہ پر آیۂ کریمہ لکم دینکم ولی دین (تمہارے لئے تمہارا دین میرے واسطے میرا دین) اسی معنی کی تفصیل ہے مگر گذشتہ زمانہ (عہد اکبری میں) کفار دارالاسلام میں غلبہ کے طور پر برملا احکام کفر جاری کرتے تھے اور مسلمان احکام اسلام کے اظہار سے عاجز تھے اور اگر احکام اسلام جاری کرتے تو قتل کردئے جاتے تھے۔

خان اعظم سلطنت کے مقتدر رکن تھے، بادشاہ اُن کا بہت احترام کرتے تھے۔ اُن کے نام مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

غربت اسلام تا بحدے رسیدہ است کہ کفار برملا طعن اسلام و ذم مسلمانان می نمایند و بے تحاشی اجرا احکام کفر و مداحی اہل آن در کوچہ و بازار می کنند و مسلمانان از اجرا احکام اسلام ممنوع و در اتیان شرائع مذموم و مطعون ؎

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبی ست

سبحان اللہ وبحمدہ الشرع تحت السیف گفتہ اند رونق شرع شریف را بسلاطین

اسلام کی مسکینی اس حد تک پہونچ چکی ہے کہ کفار برملا اہل اسلام پر طعنے کرتے ہیں اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور بے تحاشہ کفریہ احکام جاری کرتے ہیں اور اہل کفر کی تعریف کوچہ و بازار میں کرتے ہیں اور مسلمان احکام اسلام جاری کرنے سے روک دئے گئے ہیں اور اسلامی احکام پر عمل کرنے میں اُنکی مذمت کی جاتی ہے اور اُنپر طعنے کئے جاتے ہیں۔

پری چہرہ چھپائے ہوئے ہے اور دیو کرشمہ و ناز کررہا ہے عقل حیرت سے دنگ ہے کہ یہ کیا

والبتہ اند قضیہ منعکس گشتہ است ومعاملہ انقلاب پیدا کردہ است ۔ واحسرتا ۔ واندامتاہ ۔ واویلاہ
(مکتوب ۶۵ دفتر اول حصہ دوم)

ہوا عجیبی ہے ۔ سبحان اللہ وبحمدہ ۔ کہا جاتا ہے کہ شریعت تلوار کے سایہ میں اور شرع شریف کی رونق سلاطین کے دم سے ہے مگر یہاں معاملہ اُلٹا ہے اور ایک عجیب انقلاب پیدا کرچکا ہے ۔ واحسرتاہ ۔ واندامتاہ ، واویلاہ

مسلمانوں کی ممنوعیت اور الشرع تحت السیف کی تفسیر بھی ملاحظہ ہو:

در قرن ماضی (عہد اکبری) کفار برملا وبطریق استیلا اجرا احکام کفر در دار اسلام می کردند ومسلمانان از اظہار احکام اسلام عاجز بودند واگر می کردند بقتل می رسیدند ۔ واویلاہ ۔ واخزناہ ۔ وا مصیبتاہ ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین است مصدقان او ذلیل وخوار بودند ومنکران او بعزت واعتبار ۔ مسلمانان بادلہائے ریش در تعزیت اسلام بودند ومعاندان بسخریہ واستہزا بر جراحتہائے ایشان نمک پاشیدند آفتاب ہدایت در تتق ضلالت مستور شدہ بود ونور حق در حجب باطل منزوی

اکبر کے زمانہ میں کفار برملا اور غلبہ کے طور پر کفر کے احکام دار الاسلام میں جاری کرتے تھے اور مسلمان احکام اسلام کے اظہار سے عاجز تھے اور اگر کر بیٹھتے تھے تو قتل کر دئے جاتے تھے ۔ واویلاہ ، واخزناہ ، وامصیبتاہ ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین ہیں ، آپ کی تصدیق کرنے والے ذلیل وخوار تھے اور آپکے انکار کرنیوالوں کی عزت ہوتی تھی انہیں کا اعتبار تھا مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی تعزیت میں مشغول تھے اور کفار اُن کا مذاق اُڑا کر اُن کے زخموں پر نمک چھڑکا کرتے تھے ۔ آفتاب ہدایت

(مکتوب ۲۶۷ ص ۶۵ ج ۱)

گمراہی کے پردہ میں چھپ گیا تھا، اور حق کا نور باطل کے حجاب میں سمٹ گیا تھا۔

جراحت مسلم پر نمک پاشی ملاحظہ ہو۔

کفار ہند بے تحاشی ہدم مساجدی نمایند و در آنجا تعمیر معبدہائے خودمی سازند کفار برملا مراسم کفر بجامی آرند و مسلمانان در اجراء اکثر احکام اسلام عاجز اند۔

کفار ہند بے خوف خطر مساجد کو شہید کرتے ہیں اور اپنے مندر اُن کی جگہ بناتے ہیں نیز کفار کھلم کھلا کفر کے مراسم ادا کرتے ہیں اور مسلمان اکثر احکام اسلام کے اجراء سے عاجز ہیں۔

پھر عاجزی بھی ملاحظہ ہو۔

روزے کاوشی ہنود کہ ترک اکل و شرب مے نمایند اہتمام دارند کہ دراں روز در بلاد اسلام ہیچ مسلمانے در روز نان نپزد و در ماہ مبارک رمضان برملا نان و طعام ہے پزند و مے فروشند ہیچ کس از زبونی اسلام منع آن نمی تواند نمود افسوس صد ہزار افسوس

مکتوب ۹۲ دفتر دوم)

ہندوں کی کاوشی کے دن کہ کھانا پینا چھوڑتے ہیں (برت رکھتے ہیں) یہ اہتمام کیا جاتا ہے کہ اُس روز مسلمانوں کے شہروں میں کوئی مسلمان دن میں روٹی نہ پکائے۔ اور رمضان مبارک کے مہینہ میں کھلے بندوں روٹی اور کھانا پکاتے ہیں اور فروخت کرتے ہیں، اہل اسلام کی پستی اور کمزوری کے باعث کوئی منع کہ نہیں کر سکتا افسوس صد ہزار افسوس۔

اب علماء سو کی فتنہ انگیزی اور جنگ زرگری بھی ملاحظہ ہو۔

علمار دنیا کہ ہمت ایشاں دنیاء دنیہ
است صحبت ایشاں زہر قاتل است
وفساد ایشاں فساد متعدی۔
عالم کہ کامرانی وتن پروری کند
او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔
در قرن ماضی ہر بلائے کہ بر سر آمد از شومئ
این جماعت بود، بادشاہاں را ایشاں
از راہ می بردند۔ ہفتاد و دو ملت کہ راہ
ضلالت اختیار کردہ اند مقتدایان
اینہا علماء سوء بودند غیر از علماء ہر کہ بضلالت
رفت کم است کہ ضلالت او بدیگرے
تعدی کند و اکثر جہلا صوفی نما این زمانہ
حکم علمار سوء دارند فساد اینہا نیز فساد
متعدی است، (مکتوب نمبر ۴۷
دفتر اول حصہ دوم)

دنیا کے مولوی کہ اُنکی سب سے بڑی منظور نظر
یہی کمینہ دنیا ہے اُنکی صحبت زہر قاتل ہے
اور ان کا فسادِ متعدی۔ جو عالم کہ اپنی
اغراض پوری کرتا ہے اور تن پرور ہے
وہ خود گمراہ ہے کسکو ہدایت کر سکتا ہے
گذشتہ زمانہ میں (اکبر کے زمانہ میں) جو
جو مصیبت آئی وہ اسی جماعت کی
نحوست ہے، یہی لوگ بادشاہوں کو
سیدھے راستہ سے ہٹاتے تھے۔ بہتر فرقے
جنہوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا،
اُن کے پیشوا علمار سُوء ہی تھے، علمار
کے ماسوا جو کوئی گمراہ ہوا، اُس کا اثر
دوسروں تک کم پہونچا۔ اس زمانہ کے اکثر
جاہل صوفی نما، علماء سوء کا حکم رکھتے ہیں
اُن کا فساد بھی متعدی ہے جو دوسروں
پر اثر کر رہا ہے۔

عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است
وبظلمات بدعت آرام گرفتہ کرا مجال است
کہ دم از رفع بدعت زند وباحیاء سنت

علماء بدعت کے دریا میں ڈوب گئے ہیں
اور اسکی اندھیریوں میں آرام کرنے لگے۔
کس کی مجال ہے کہ بدعت کی مخالفت میں

لب کشاید۔ اکثر علماء این وقت رواج دہندہائے بدعت اند و محو کنندہائے سنت بدعتہائے پہن را تعامل خلق دانستہ بجواز بلکہ باستحسان آن فتوی میدہند ومردم را بہ بدعت دلالت می نمایند چہ میگویند اگر ضلالت شیوع پیدا کند و باطل متعارف شود و تعامل گردد مگر نمی دانند کہ تعامل دلیل استحسان نیست تعاملے کہ معتبر است ہماں است کہ صدر اول آمدہ است یا باجماع جمیع مردم حاصل گشتہ۔

(مکتوب م ۵۴ دفتر دوم حصہ ہفتم)

دم مارے اور احیاء سنت کیلئے لب کشائی کرے اس زمانہ کے اکثر علماء بدعت کو رواج دے رہے ہیں اور سنت کو مٹا رہے ہیں۔ پھیلی ہوئی بدعت کو خلق اللہ کا تعامل جان کر اُس کے جواز بلکہ اُس کے مستحسن ہونے کا فتوی دیدیتے ہیں اور دوسروں کو بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اگر گمراہی اور کفر اسی طرح عام طور پر پھیل جائے اور صریح باطل پر عموماً عمل ہونے لگے تو کیا اُسکو بھی سنت ہی کہیں گے؟ افسوس نہیں جانتے کہ ہر ایک تعامل مستحسن ہونے کی دلیل نہیں۔ صرف وہی تعامل معتبر ہے کہ جو صحابہ کرام کے زمانہ میں ہوا تھا اور تمام کے اتفاق سے پیدا ہوا تھا۔

انتہا یہ کہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

عزیزے شیطان لعین را دید کہ فارغ نشستہ است واز تضلیل و اغوار خاطر جمع ساختہ آن عزیز سر آن را پرسید، لعین گفت کہ علماء سوء این وقت درین وقت با من خود مدد عظیم کردند

ایک عزیز نے شیطان لعین کو دیکھا کہ اطمینان سے بیٹھا ہے اور اغوار اور گمراہ کرنے سے خاطر جمع ہو گیا ہے اُس عزیز نے اس کا راز دریافت کیا۔ شیطان لعین نے کہا کہ اس زمانہ کے علماء سوء خود ہی میری

ومرا ازین مہم فارغ ساختند۔
(مکتوب ۲۳۔ دفتر اول حصہ اول)

کافی مدد کر رہے ہیں۔ اور اس مہم سے مجھکو فارغ کر دیا ہے۔

حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ عہد اکبری کو "قرن ماضی" سے تعبیر فرماتے ہیں لیکن موجودہ قرن یعنی عہد جہانگیری کی کیا حالت تھی۔ اس کا اندازہ کرنے کیلئے خود جہانگیر کی تحریر کافی ہے۔

دولت و پادشاہی من حوالہ در دستِ ایں سلسلہ است پدر دیوان کل، پسر وکیل مطلق دختر ہمراز و مصاحب۔
(تزک جہانگیری)

میری حکومت و سلطنت اسوقت اس سلسلہ کے ہاتھ میں ہے، باپ مرزا غیاث دیوان کل یعنی وزیر اعظم بیٹا یعنی آصف خاں وکیل مطلق لڑکی ہمراز و مصاحب۔

اور پھر یہ سلسلہ بھی صرف ذاتِ واحد پر موقوف ہوگیا تھا۔ چنانچہ جہانگیر کے بخشی "معتمد خاںؒ" کا بیان ہے۔

رفتہ رفتہ کار بجائے کشید کہ از بادشاہی بجز نامے نماند، مکرر میفرمودند کہ من سلطنت را بنور جہاں بیگم ارزانی داشتم بجز یک سیر شراب و نیم سیر گوشت مرا ہیچ در نمی باید[1]

رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہونچگئی کہ بادشاہی کا صرف نام رہ گیا۔ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سلطنت "نور جہاں بیگم" کو بخشدی ہے، ایک سیر شراب، آدھ سیر گوشت کے سوا مجھے کچھ نہیں چاہیے۔

بہر حال نور جہاں ہو یا اس کے والد ماجد۔ مقصود تو یہ ہے کہ یہ سب کٹر شیعہ تھے۔ نور جہاں کے والد مرزا غیاث بیگ جن کو جہانگیر نے "اعتماد الدولہؒ" کا

[1] اقبال نامہ جہانگیری مصنفہ معتمد خان بخشی جہانگیر بادشاہ ص ۵۷ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۶۵ء

خطاب دیا تھا۔ خواجہ محمد شریف طہرانی کے بیٹے تھے۔

خواجہ درمبادی حال وزیر محمد خان تکلو حاکم خراسان بود۔ بعد از فوت محمد خاں بخدمت شاہ جمجاہ طہماسپ صفوی پیوست و شاہ وزارت خود را بخواجہ محمد شریف تفویض فرمود[۲]

خواجہ محمد شریف ابتدا میں وزیر محمد خاں تکلو حاکم خراسان کے وزیر تھے، محمد خان کی وفات کے بعد شاہ[۱] طہماسپ صفوی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور بادشاہ نے منصب وزارت خواجہ کے سپرد فرمادیا۔

صفوی خاندان سُنّیوں کا سخت ترین دشمن رہا ہے۔ سُنّیوں کی حکومت تباہ کرنے کے بعد یہ خاندان تختِ سلطنت پر قابض ہوا۔ اور پھر اگرچہ کسی مصلحت[۳] سے ہندوستان سے اُس کے تعلقات بہتر رہے مگر سلاطین عثمانیہ سے ہمیشہ تصادم رہا۔ جہانگیر کے زمانہ شاہ عبّاس سریرآرا، سلطنت ایران تھا۔ جس کی عمر ترکوں سے نبرد آزمائی میں ختم ہوئی[۴]

جب نور جہان تخت و تاج کی مالک ہوا اور مرزا غیاث وزیر اعظم تو پھر شیعوں کا بول بالا کیوں نہ ہو۔ اس شیعہ گردی کا ادنیٰ کرشمہ یہ تھا کہ نور اللہ شوستری

---

[۱] شاہ طہماسپ صفوی وہی شاہ ایران ہیں جن کے ہاں ہمایوں نے جاکر پناہ لی تھی اور پھر یہی خواجہ محمد شریف فرائض و آداب مہماں نوازی کے لئے شاہ طہماسپ کی جانب سے مقرر ہوئے تھے، [۲] اقبال نامہ جہانگیری ۱۲۔ [۳] ہمایوں کے اعزاز اور اُس کی اعانت میں شاید یہی غرض ملحوظ ہو کہ شیر شاہ سوری یعنی افغانیوں کی حکومت ہندوستان میں قائم نہ رہ سکے۔ شاہ طہماسپ نے ہمایوں کی امداد کرکے افغانستان کو محصور مقہور کردیا اور اب اس کو صرف ترکوں اور روسیوں کی فکر رہ گئی۔ اس تعاون کے ماسوا ایرانیوں کو اعلیٰ ملازمتوں اور بے شمار ترقیات کے جو فوائد حاصل ہوئے وہ بھی اس مہمان نوازی کے لئے محرک تھے ۱۲۔ [۴] تاریخ خاندان عثمانیہ جلد اول ۱۲۔

جیسا وریدہ دہن سلطنت کا قاضی القضاۃ بنایا گیا[1]۔

تجدیدی کارنامہ

بلاشبہ رفض، الحاد، زندقہ، بدعت اور اغراض پرستی کی کالی کالی گھٹائیں کائناتِ روحانی کے اُفق پر چھائی ہوئی تھیں، تہ بتہ تاریکیوں نے ہدایت کے نور کا دھندلا سا عکس اگر کہیں کہیں باقی چھوڑا تھا تو اُمراء اور حکام کی ظلم و تعدی اُسکو بھی فنا کر رہے تھے۔

ردِ شیعیت۔ رد بدعت، رد الحاد اور پھر اس سلسلہ میں مناظرے یا معتکفانہ زندگی اختیار کر کے طریقت اور سلوک کے ذریعہ تصفیہ اور تزکیہ اہم ترین خدمات تھیں جو حضرت مجدد صاحب قدس اللہ سرہ کے وجود با جود سے تکمیل پذیر ہوئیں اور جن کا مفصل تذکرہ سیکڑوں مکتوبات کے ہزاروں صفحات میں موجود ہے ان میں سے ہر ایک چیز کو تجدیدی کارنامہ کہا جا سکتا ہے، مگر مشکل یہ ہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ خود اپنے مکتوب ۶ دفتر دوم میں فرما چکے ہیں۔

کارخانۂ عظیم دیگر بمن حوالہ فرمودند، برائے پیری و مریدی مرا نیاوردند و مقصود از خلقت من تکمیل و ارشاد خلق نیست معاملہ دیگر است و کارخانہ دیگر۔ دریں ضمن ہر کہ مناسبت دارد فیض خواہد گرفت	ایک بہت بڑا کارخانہ میرے حوالہ کیا گیا ہے، پیری مریدی کے لئے مجھ کو پیدا نہیں کیا اور میری پیدائش کا مقصود تکمیل و ارشاد نہیں، ایک دوسرا کام ہے اور دوسرا کارخانہ ہے، اس ضمن میں جو

[1] اقبال نامہ جہانگیری ص۲۰۸۔ ایضاً خطبہ شونیہ ۱۲۰

دالّالا - معاملہ تکمیل وارشاد نسبت بآن کارخانہ امریست ہمچو مطروح فی الطریق (مکتوب نمبر ۶ دفتر دوم)

بھی مناسبت رکھیگا فیض حاصل کریگا ورنہ نہیں تکمیل وارشاد کا معاملہ اُس عظیم الشان کارخانہ کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے راستہ کی پڑی ہوئی چیز۔

سوال پھر وہی آگیا جس سے بحث کا آغاز کیا گیا تھا۔ یعنی وہ "کارخانہ" کیا ہے جس کے سامنے تکمیل وارشاد بھی راستہ کی گری پڑی چیز جیسی ہیں، اگر ہم یہ کہدیں کہ وہ "کارخانہ عظیم اور معاملہ دیگر" سیاسی اور دولتی اصلاح بھی تو ممکن ہے کہ بدمذاقی کا اعتراض کر کے بات ٹالدی جائے۔ لہذا مناسب ہے کہ حضرت مجدد صاحب رح کے مکتوبات ہی سے اس "کارخانۂ عظیم" کی شرح پیش کیجائے۔

حضرت مجدد صاحب رح کا اصلاحی نظریہ

حضرت مجدد صاحب رح اپنے ایک مرید خاص خان جہاں خان کو جو جہانگیر کے مقربین خصوصی میں سے ہے تحریر فرماتے ہیں:-

سلطان کالروح است وسائر انسان کالجسد، اگر روح صالح است بدن صالح واگر روح فاسد است بدن فاسد۔ پس در اصلاح سلطان کوشیدن در صلاح جملہ بنی آدم کوشیدن است واصلاح در اظہار اسلام است بہر روش کہ گنجائش وقت باشد (مکتوب ۶۷ دفتر دوم)

سلطان روح کی طرح ہے اور تمام انسان بدن کی طرح اگر روح درست ہے بدن درست اور روح خراب ہے تو بدن بھی خراب پس اصلاح بادشاہ کی جدوجہد تمام اولاد آدم کی صلاح کی جدوجہد ہے، اور اصلاح اسی میں ہے کہ جس صورت سے بھی مناسب ہو اسلام کا اظہار کردیا جائے

شیخ فریدؒ جو بارگاہ سلطانی کے ممتاز مقربین میں سے ہیں اُنکو تحریر فرماتے ہیں

بادشاہ نسبت بعالم در رنگ دل است
نسبت ببدن کہ اگر دل صالح است بدن
صالح است واگر فاسد است فاسد بصلاح بادشاہ
صلاح عالم است وبفساد او فساد عالم
(مکتوب ۴۷ دفتر اول ص۶۶)

بادشاہ اور عالم کا تعلق دل اور بدن
کے تعلق کا ہمرنگ ہے۔ اگر دل درست ہے
بدن درست اور اگر وہ خراب تو یہ بھی خراب
بادشاہ کی درستی عالم کی درستی ہے اور اُس
کی خرابی سارے عالم کی خرابی۔

خان اعظم خان کو ایک مکتوب لکھا ہے جس کا ایک حصہ پہلے بھی گذر چکا، جس میں غلبۂ کفار اور مسلمانوں کی پستی اور عاجزی کا اندوہناک اظہار فرمایا تھا۔ اِس خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

امروز آن روز است کہ عمل قلیل را اجر
جزیل باعتبار تمام قبول می فرمایند از اصحاب
کہف غیر از ہجرت عملی دیگر نمایاں نیست
کہ اینہمہ اعتبار پیدا کردہ است سپاہیاں
در وقت غلبۂ اعداد اگر اندک ترددی کنند
اعتبار بسیار پیدا می کنند بخلاف در
وقت امن وتسکین اعداء۔ واین جہاد
قولی کہ امروز شمارا میسر شدہ است جہاد اکبر
است مغتنم دانید وہل من مزید بگوئید
واین جہاد گفتن را بہ از جہاد کشتن دانید،

آجکل وہ زمانہ ہے کہ تھوڑے سے کام کو بھی بڑے
ثواب کے عوض میں خاص توجہ کے ساتھ
قبول فرماتے ہیں۔ ہجرت کے سوا اصحاب
کہف کی کوئی نمایاں خدمت ہمارے سامنے
نہیں مگر اسی نے اسقدر مقبولیت حاصل کی ہے
دشمن کے غلبہ کیوقت اگر سپاہی تھوڑی سی
خدمت اور وفاداری بھی کرتے ہیں تو بہت
کچھ اعتبار پیدا کر لیتے ہیں بخلاف امن اور
تسکین کیوقت کے یہ قولی جہاد جو آجکل آپ
کو میسر ہے جہاد اکبر ہے اِس کو غنیمت جانو

اور ہل من مزید کہتے رہو۔ اور اس قولی جہاد کو جہاد بالسیف سے بہتر سمجھو۔

دو سطر کے بعد:-

حضرت خواجہ احرار قدس سرہ می فرمودند کہ اگر من شیخی کنم، ہیچ شیخے در عالم مرید نیابد۔ اما مرا کار دیگر فرمودہ اند، واں ترویج شریعت و تائید ملت است لاجرم بصحبت سلاطین می رفتند و بتصرف خود ایشاں را منقاد می ساختند۔ و بتوسل ایشاں ترویج شریعت می فرمودند۔

(مکتوب ۶۵ دفتر اول حصہ دوم)

حضرت خواجہ احرار قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ اگر میں پیری کروں تو کسی پیر کو ساری دنیا میں مرید نہ ملے لیکن مجھے دوسرے کام کا حکم ہے۔ چنانچہ حضرت موصوف بادشاہوں کے دربار میں جاتے اور ان کو اپنی توجہ سے انکو مطیع کرتے تھے، ان بادشاہوں کے ذریعہ ہی سے شریعت کو رائج کرتے تھے۔

تجدیدی خدمات کا نصب العین

مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح ہو گیا کہ اگرچہ حضرت مجدد صاحبؒ کی ذات مقدس شریعت اور طریقت کے نہروں کا سرچشمہ تھی اور ایک ایسا منبع تھی کہ آج ہندوستان کے بیشتر دریائے علوم و برکات اسی سرچشمہ سے نکل کر بہ رہے ہیں اور اگرچہ بدعات اور مراسم قبیحہ نیز رفض، الحاد زندقہ وغیرہ کی تردید بھی اتنی ہوئی کہ اسکی مثال معدوم نہیں تو کمیاب اور نادر ضرور ہے مگر یہ تمام فیوض ضمنی اور ذیلی تھے۔ اصل مقصود سلطان اور ارباب سلطنت کی اصلاح تھی۔ جس کے لئے حضرت مجدد صاحبؒ نے ابتداء عہد ہی سے خود کو وقف کر دیا تھا۔ اور اس نصب العین کو اس درجہ مرکوز خاطر کر لیا تھا کہ اپنی پیدائش کی غرض اپنی حیات کا مقصد، اپنی زندگی کا اہم فریضہ اسی کو ظاہر فرماتے تھے۔ مگر کسی سلطنت

کی اصلاح، کیا صرف سلطان کو وعظ سُنانے سے ہو سکتی ہے؟ سادہ لوح اور سلطنت کی اہمیت سے نابلد ہے وہ شخص جو اس قسم کا خیال خام قایم کرے۔ اصلاح سلطنت کے لئے سب سے مقدم ہے اعوان حکومت کی اصلاح، اور ارکان حکومت کی اصلاح کیلئے ضروری ہے عوام کو بیدار کرنا اور اُن میں ایسے جذبات پیدا کرنا جن کا احتجاجی اثر ارکان دولت اور خود دولت کو اپنی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ بادشاہ کی اصلاح اس لئے مشکل ہے کہ اسکی بارگاہ تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ جس طرح سُلطان، جسد حکومت کا قلب ہے، اسی طرح اوسکی اصلاح کے ساتھ جسد کی نگہداشت بھی ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ قلب کی بڑھتی ہوئی حرارت کا اعضاء تحمل نہ کر سکیں اور اختلاجی یا خفقانی کیفیت پوری ہستی کو تباہ کر دے۔ دنیا کی تاریخ میں سینکڑوں مثالیں ہیں کہ بادشاہوں کی اصلاح پسندی سے ارکان دولت میں برہمی پیدا ہوئی اور چند دنوں میں وہ بادشاہت ہی ختم کر دی گئی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی تاریخ دنیا کے سامنے ہے، آپ بہ نفس نفیس خلیفۂ راشد تھے۔ چونکہ تابعین اور صحابہ کا دور تھا، آپ کی اصلاح کارگر ہوئی۔ ملک عضوض فوراً ہی خلافت راشدہ کی شکل میں بدل گیا۔

مگر پھر کیا ہوا؟

صرف ڈھائی سال بعد ہی اغراض پرستوں کی کالی کالی فریب کاریوں نے زہریلی ناگ بن کر اس خلیفہ راشد کو مسموم کر دیا۔ شام ہوئی تھی تو خلافت راشدہ کا چاند روشن تھا۔ صبح ہوئی تو مقدس خلافت کا آفتاب ایسا غروب ہوا کہ پھر آجتک

نمایاں طور پر طلوع ہی نہ ہو سکا۔

لیکن جبکہ سلطان جہانگیر پر نور جہاں اور مرزا غیاث جیسے غالی شیعوں کا قبضہ تھا تو اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اب ایک عام فضا اس برسر اقتدار قوت کے مقابلہ پر تیار کیجائے تا کہ بادشاہ اگر اصلاحی پہلو کی جانب متوجہ ہو تو برسر اقتدار ارکان اسکو گزند نہ پہنچا سکیں۔

اب آپ نے خیال فرمایا۔ سلطنت اور سلطان کی اصلاح کسقدر سخت کام تھا — ؟ برسر اقتدار وزارت سے مقابلہ کیا جو لامحالہ بہت بڑی سازش کا محتاج تھا مثلاً یہ کہ

(الف) عوام کو زیادہ سے زیادہ اپنے ساتھ وابستہ کیا جائے۔

ب) ارکان دولت کو کسی صورت سے متاثر کیا جائے

(ج) بادشاہ کیلئے ایسی فضا ہموار کردیجائے کہ اصلاح پسندی زوالِ سلطنت کا پیش خیمہ نہ بن سکے

اصلاحی طریق کار اور راستہ کے مصائب

ابھی سن مبارک دورِ شباب میں تھا کہ اصلاح و ارشاد کے مجددانہ جذبہ نے اکبری فتنہ کے اسباب تلاش کرنے کی طرف آپ کو متوجہ فرمایا چنانچہ آپ آگرہ تشریف لیگئے۔ جہاں اکبری الحاد کے دونوں ہیروں "ابوالفضل" اور "فیضی" سے آپ کی خوب خوب ملاقاتیں رہیں۔ ابوالفضل اور فیضی آپ کی فوق العادۃ ذہانت اور قابلیت سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ بلکہ مشہور تو یہ ہے کہ "سواطع الالہام" جو فیضی کی بے نقط تفسیر ہے اُسمیں حضرت رح کی امداد بھی شریک تھی

ایک مرتبہ وہ جس مضمون کو بے نقط ادا کرنا چاہتا تھا وہ گرفت میں نہیں آرہا تھا۔ حضرت مجدد صاحب کے سامنے اُس نے اس مضمون کو پیش کیا، کہا جاتا ہے کہ حضرت مجدد صاحب نے قلم برداشتہ صنعت بے نقط میں پوری عبارت لکھدی

ان ہی دنوں کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ عید کے چاند میں اختلاف ہو گیا تھا شرعی ثبوت سے پہلے ہی اکبر نے عید کا اعلان کر کے لوگوں کے روزے تڑوا دیے اسی دن حضرت بھی ابوالفضل سے ملنے آئے۔ پوچھنے پر ابوالفضل کو معلوم ہوا کہ حضرت روزے سے ہیں۔ اُس نے وجہ دریافت کی، آپ نے فرمایا کہ چاند کے متعلق اب تک شرعی شہادت فراہم نہیں ہوئی ہے۔ ابوالفضل نے کہا کہ بادشاہ نے تو حکم دیدیا ہے، اب کیا عذر ہے۔ آپ نے بے ساختہ فرمایا:۔

بادشاہ بے دین است اعتبارے ندارد   بادشاہ بے دین ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں

ابوالفضل خفیف سا ہو کر رہ گیا۔ پھر بھی اُس نے پانی کا پیالہ اُٹھا کر آپ کے منہ سے لگایا لیکن آپ نے ہاتھ جھٹک دیا۔ اور اسی وقت غصہ میں گھر چلے آئے اور کہلا بھیجا کہ اہل علم سے ملنے کا شوق ہے تو اُن سے ملنے کے آداب سیکھو۔ ابوالفضل نے معافی مانگ لی اور پھر آمد و رفت شروع ہو گئی۔

اس کے بعد آپ والد صاحب کے اصرار سے سرہند واپس تشریف لے آئے یہاں پہونچکر آپ نے مراحل سلوک طے کئے اور پھر حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے تھے کہ دہلی پہونچکر حضرت خواجہ باقی باللہ صاحبؒ سے بیعت ہوئے (جن کا تذکرہ اوپر گذر چکا)

بہرحال ابوالفضل اور فیضی کی صحبت آگرہ آپ کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی

اِن لوگوں سے آپ کو فتنہ کے اسباب اور اُن وجوہات کے سمجھنے کا خوب موقع ملا جن کی راہوں سے یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر رہے تھے۔ بتدریج اِن حربوں سے آپ نے اپنے کو بھی مسلح فرمالیا۔

مکتوبات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مضبوط حربے دو تھے۔

(۱) عام مسلمانوں سے تعلقات

(۲) اعلیٰ حکام کو اپنی طرف متوجہ فرمانا۔

ابھی آپ اس تیاری ہی میں تھے کہ قدرت نے آپ کی امداد فرمائی۔ اکبر کا انتقال ہوگیا۔ جہانگیر تخت نشین ہوا۔ آپ میدان میں اُتر پڑے اور اپنا کام شروع کر دیا

مکتوبات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کے دربار کے جتنے ممتاز رکن سُنّی تھے۔ آپ نے سب سے رسُوخ حاصل کر لیا تھا۔ چنانچہ خان اعظم۔ خان جہان خان خانان۔ مرزا داراب، قلیج خان۔ خواجہ جہاں، لالہ بیگ، نواب سید فرید صاحب وغیرہم کے نام خطوط مکاتیب میں موجود ہیں۔ آپ نے ان حضرات کو خود اُن کے ذاتی فرائض سے بھی متنبہ فرمایا اور عام مسلمانوں کی تائید کا بھی اُن کو یقین دلایا۔

چنانچہ شیخ فرید صاحب کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

امروز کہ زوال مانع دولت اسلام	آج کہ دولت اسلام کے مانع کے زوال
ولبشارت جلوس بادشاہ اسلام	اور بادشاہ اسلام کے جلوس کی بشارت
بگوش خاص و عام رسید اہل اسلام	خواص اور عوام کے کانوں میں پہونچی
برخود لازم دانستند کہ ممد و معاون	اہل اسلام نے اپنے اوپر لازم قرار دے
بادشاہ باشند و در ترویج شریعت	لیا ہے کہ بادشاہ کے ممد معاون ہوں اور

وتقویت ملت و ولایت نمایند، این امداد وتقویت خواہ بزبان میسر شود وخواہ بدست (مکتوب ۴۷ دفتر اول)

اور شریعت کی ترویج اور ملت کی تقویت پر رہنمائی کریں۔ یہ امداد اور تقویت خواہ زبان سے میسر ہو خواہ ہاتھ سے

عبارت کو بار بار پڑھیئے۔ کس قدر ذمہ دارانہ الفاظ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مخلوق خدا دست مبارک پر بیعت جہاد کر چکی ہے اور انقلاب کے لئے بے چین ہے، آپ جنگ و جدال کے فتنے کو دبا کر چاہ رہے ہیں کہ ارکان دولت اور شیران خصوصی کے ذریعہ سے یہ مرحلہ طے ہو جائے۔ نیز اس خط سے اور مکتوب ذیل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کی تخت نشینی کے ساتھ ہی آپ نے اصلاحی اور انقلابی جدوجہد بھی شروع فرما دی ہے۔

چنانچہ "لالہ بیگ" جہانگیری دربار کے ایک امیر ہیں، اُن کے نام مکتوب میں فرماتے ہیں:-

در ابتداء بادشاہت اگر مسلمانی رواج یافت ومسلمانان اعتبار پیدا کردند فبہا واگر عیاذاً باللہ سبحانہ در توقف افتد کار بر مسلمانان بسیار مشکل خواہد شد۔ الغیاث۔ ثم الغیاث۔ الغیاث

بادشاہت کے شروع ہی میں اگر مسلمانی کا رواج ہو گیا اور مسلمانوں نے اعتماد پیدا کر لیا تو فبہا اور اگر معاذ اللہ توقف ہوا تو مسلمانوں پر یہ مرحلہ بہت مشکل ہو جائیگا۔ فریاد۔ فریاد۔ فریاد۔

بہر حال رسوخ اور انقلابی مادہ پہلے سے پکا ہوا تھا۔ اب اس قسم کے خطوط سے اس کو آمادہ کار کیا جا رہا ہے اور عجیب عجیب انداز سے مخاطب فرمایا جا رہا ہے

تا کدام صاحب دولت باین سعادت مستعد

دیکھیں کون صاحب دولت اس سعادت

گردد - دکدام شاہباز باین دولت دست برد نماید ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم -

کیلئے مستعد ہو اور کون سا شاہباز اس دولت پر ہاتھ مارے - یہ اللہ کا فضل ہوگا جسکو چاہتا ہے وہ اپنا فضل عطا فرماتا ہے - اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے -

خان جہان کو ارقام فرماتے ہیں -

ہمیں خدمت کہ پیش دارند اگر آن را بانیان شریعت (علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام) جمع سازند - کار انبیاء کردہ باشند ودین متین را معمور ساختہ و نور گردانیدہ، ما فقیراں اگر سالہا جان بکنیم درین عمل بگرد شما شاہ بازان نمی رسیم

سه گوئے توفیق وسعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد

یہی منصب جو آپکے سامنے ہے اگر اس شریعت محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی ترویج واشاعت کا کام ہیں تو آپ انبیاء کی خدمت انجام دیں گے اور دین متین کو سنوار اور معمور کردیں گے ہم جیسے فقیر اگر برسہا برس بھی ایڑیاں رگڑتے رہیں تو آپ جیسے شاہ بازوں کی گرد کو بھی نہ پہونچ سکیں گے سہ

پڑا میداں میں ہے گیند توفیق وسعادت کا ÷ ہوا کیا ہے سواروں کو کوئی آگے نہیں بڑھتا[1]

نواب فرید صاحب سیّد ہیں - اُن کو تحریر فرماتے ہیں -

اما درین وقت کہ غربت اسلام است از امثال شما جوانمرداں اہل بیت زیبا تر و رعنا تر است کہ این دولت خانہ زاد

بہر حال اس زمانہ میں کہ اسلام تنہا اور بے یار و مددگار ہے اہل بیت کے آپ جیسے جوانمردوں سے یہی زیبا معلوم ہوتا ہے

[1] ماخوذ از مجدد نمبر ۱۲

خاندان بزرگ شما است از شما ذاتی است	اور عمدہ کیونکہ یہ دولت آپ ہی کے
واز دیگراں عرضی۔ حقیقی وراثت نبوی	خاندان بزرگ کی خانہ زاد ہے آپکی
علیہ وعلی آلہ من الصلوات افضلہا ومن	اصلی ہے اور دوسروں کی آپ کی بدولت
التحیات اکملہا در تحصیل این امر عظیم القدر	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی وراثت
است ۔	اسی عظیم الشان خدمت کی انجام دہی میں ہے
گوئے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند	بڑا امیدان میں ہے گیند توفیق وسعادت کا
کس بمیدان درنمی آید سواران راچہ شد	ہوا کیا ہے سواروں کو کوئی آگے نہیں بڑھتا

حضرت مجدد صاحب کے مکاتیب سے کئی جلدیں پُر ہیں۔ سب میں یہی دو دو بہی تحریص و ترغیب ہے۔ جو بالآخر کامیاب ہو کر رہی۔

مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی حضرت مجدد صاحب کی فصاحت و بلاغت سے حیران ہیں اور فرماتے ہیں :۔

اور مکتوبات شریف میں تو اس قسم کے مضامین کا ذخیرہ موجود ہے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دربار کے ان اُمرا پر آخر کس طرح قابو حاصل کیا۔ حالانکہ کوئی زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا۔ یہ جتنے تھے سب اکبر کی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ ابوالفضل و فیضی کے فیضیافتہ تھے، ان اسباب کا احاطہ اور استقصاء اور وہ بھی اس مقالہ میں مشکل ہے۔ لیکن سرسری طور پر اس عہد کے علما اتنا تو اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے لکھنے لکھانے میں کیا وہ رنگ اختیار نہیں کیا جو اس زمانہ کے انشا پردازوں کا تھا۔ ایک طرف

ابوالفضل وفیضی کی سحر نگاریوں کو دیکھئے۔ اور دوسری طرف حضرت مجدد صاحب کے زورِ قلم کو رکھئے۔ پھر اندازہ کیجئے کہ انشا کا "ورکس" ہے۔

مولانا مناظر احسن صاحب بہترین انشاپرداز ہیں، آپ کی نظر پہلی مرتبہ حضرت مجدد صاحبؒ کی انشاپردازی پر جاتی ہے اور اس ناکارہ کو کسی قدر انقلاب سے دلچسپی ہے احقر حضرت مجدد صاحب قدس سرہ العزیز کی انقلابی مہارت سے محظوظ ہو رہا ہے انقلاب کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ فلک بوس عمارتوں کو زمین بوس کرکے از سر نو تعمیر کرے، لیکن اس میں بہت کاوش ہوتی ہے اور زیادہ وقت صرف ہوتا ہے۔ بہترین انقلابی وہ ہے کہ جو اُسی فلک بوس عمارت کا رُخ بدل کر اپنی سمت کرے

تم دیکھو اُن غرور کے دیوتاؤں کو اُن مغرور اور سرکش انسانوں کو جن کے دل ودماغ پر پندار کی حکمرانی تھی جن پر انانیت اور فرعونیت کی بدمستیاں چھائی ہوئی تھیں جو بڑی بڑی ریاستوں اور عظیم الشان قہرمانی طاقتوں کے مالک تھے، جن کے ہاتھوں میں بے پناہ دولت تھی۔ اور جن کے قدموں کے نیچے بے شمار خزانے دبے پڑے تھے وہ کس طرح جھگ گئے ایک ایسے فقیر کے سامنے جو سوکھی روٹیوں پر قناعت کرتا تھا، جس کے بدن پر کمخواب و اطلس تو درکنار معمولی کمبل بھی پیوند سے خالی نہ تھا۔ جس کے ریاضت کشیدہ اور کمزور اور ناتواں کلائیوں کی رگوں کا دوران خون بھی مشکل سے محسوس ہوتا تھا۔

تم دیکھو قوت وحشمت کے اُن سر بفلک ایوانوں کو جن پر نا آشنا دماغوں کو ہزار دماغ تھے کس طرح ایک گدائے آشنا کے قدموں پر آ رہے ہے۔

تم دیکھو اُس ضعف و نقاہت کو جو شوکت و جلال کے اونچے سروں کا

تاج بنا۔ تم یہ دیکھو کہ ارضِ مقدس کی پستی و اُفتادگی، آسمان کی بے پناہ بلندیوں پر کس طرح قہقہہ لگا رہی ہے۔ اور اس حیرت انگیز انقلاب کی بُو العجبی پر دُنیا کس طرح انگشت بدنداں ہے۔

عدمِ تشدّد کی جنگ اور قوتِ ضمیر کی فتح

ناممکن ہے انقلاب ہو اور سورش نہ ہو۔ نشتر لگے اور تکلیف نہ ہو، یہ تمام تیاریاں ہو رہی تھیں، انقلاب کا ساز و سامان ترتیب دیا جا رہا تھا کہ وزارت کے اقتدار اعلیٰ کی یکایک آنکھ کھل گئی، دیکھا کہ انقلاب کا تمام جال بچھایا جا چکا اُس کی تمام زنجیریں کسی جا چکیں فوراً تحقیق شروع کر دی گئی، جاسوس دوڑائے گئے۔ ریشہ دوانیاں ہونے لگیں، پروپاگنڈا شروع ہوا جس کا اثر یہ تھا کہ شیخ عبدالحق[1] صاحبؒ جیسا محدّث بھی دھوکے میں آ گیا

اسی تگ و دو میں حضرت مجددؒ صاحبؒ کا ایک مکتوب ہاتھ لگ گیا جو حضرت مجدّد نے کسی وقت کسی خاص حالت میں اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ صاحبؒ کے نام لکھا تھا جس میں آپ نے باطنی حالات کو تحریر فرماتے ہوئے لکھا تھا کہ:۔

---

[1] شیخ عبدالحق صاحبؒ محدث دہلویؒ کی مخالفت ایک لحاظ سے بادشاہ کی مخالفت سے بھی زیادہ اذیت رساں تھی۔ انہوں نے ایک رسالہ بھی حضرت امام ربانیؒ کے خلاف تصنیف فرمایا تھا۔ ناواقفوں اور اغیار کے پتھر کی وہ چوٹ نہیں لگتی جو اپنوں کے پھول کی۔ شیخ ممدوح حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مخلصین و مستفیدین میں سے تھے حضرت امام ربانیؒ نے مکتوبات قدسیہ میں کئی جگہ حضرت شیخ کا تذکرہ فرمایا ہے اور دو ایک مکتوب بھی ان کے نام ہیں حضرت شیخ کی مخالفت چونکہ نیک نیتی کے ساتھ تھی۔ لہٰذا حق تعالیٰ نے ان کو بہت جلد تنبہ عطا فرمایا اور مخالفت سے رجوع کی توفیق دی۔ بالآخر وہ بھی امام ربانیؒ کے غایت درجہ کے معتقد ہو گئے جس کا ذکر انہوں نے اپنے مکاتیب میں کیا ہے۔ (الخطبۃ الشوقیۃ)

خداوند عالم کے لطف و کرم سے مجھ کو وہ عروج حاصل ہوا کہ جس کے
دوران میں یہ ناچیز اولیاء کرام اور حضرات صحابہ کے مقام سے گزر کر خاص
بارگاہ حضرت رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم میں باریاب ہوا۔

اب کیا تھا۔ اس پر حاشیے چڑھائے گئے۔ اور وہی مقربین جو محبوبۂ دل آرام
کے باپ بھائی یا اس کے حواری اور موالی تھے۔ بادشاہ کو بھڑکانے لگے کہ:۔
آپ کا عقیدہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت صدیق رضی
اللہ عنہ تمام اولیا و صحابہ سے افضل ہیں اور سرہند کے یہ شیخ احمد صاحب فرماتے
ہیں کہ میں تمام صحابہ اور اولیاء کے مقام سے آگے نکل گیا۔

چنانچہ فوراً حضرت مجدد صاحبؒ کی طلبی کے احکام صادر کئے گئے۔
حضرت مجددؒ صاحبؒ دربار میں حاضر کئے گئے۔ یہاں ایک دوسری مصیبت
زمین بوسی کی تھی۔ جس کی ادائیگی ہر وفادار کا فرض تھا۔ اور زمین بوس نہ ہونے
پر باغی قرار دیا جاتا جس کے لئے قتل تک کا حکم صادر کیا جا سکتا تھا۔ بہت ممکن
ہے دشمنوں کے دل اس پر بھی خوش ہوں، وہ خیال جمائے ہوئے تھے کہ
آج کمزور طاقتور کے آگے جھک جائیگا۔ مگر وہ پیشانی جو اللہ کے ماسوا کبھی کسی
کے سامنے نہیں جھکی تھی۔ کیا آج وہ جہانگیری سلطنت قاہرہ کی چوکھٹ کو
بوسہ دے سکتی تھی۔

اب کچھ حضرات تو صرف اس سجدہ نہ کرنے ہی کو جرم تسلیم کرکے فرماتے ہیں
بادشاہوں کے احکام و فرامین کی تعمیل و اطاعت سے اس طرح سرکشی
و سرتابی مرگِ مفاجات کا پیغام سنایا ہی کرتی ہے۔ چنانچہ یہی ہوا۔

جہانگیر نے بیک قلم سزائے موت کا حکم سُنا دیا مگر پھر کچھ سوچ سمجھ کر سزائے موت کا حکم منسوخ کر کے غیر معین مدّت تک کیلئے سزائے قید کا حکم صادر کیا۔

مگر "انوار احمدیہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر کوئی سزا نہیں تجویز کی گئی۔ بلکہ بادشاہ نے مکتوب گرامی کا ذکر کرتے ہوئے بازپرس کی۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے جواب دیا

"کسی حالت میں صحابۂ کرام کے مقامات سے گذر جانا یہ معنی ہرگز نہیں رکھتا کہ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یا کسی صحابی سے افضلیت کا مدعی ہوں، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان اقدس بہت اعلیٰ اور بالا ہے میں تو خود کو کتے سے بھی افضل نہیں سمجھتا۔ اسکی مثال بالکل ایسی ہے کہ اسوقت میں جناب والا کی خدمت میں حاضر ہوں اور تمام وزراء مقربین کے مقامات سے آگے بڑھا ہوا ہوں مگر کیا کوئی وہم وگمان کر سکتا ہے کہ آپ کی نگاہ میں میرا مرتبہ تمام وزراء اور مقربین سے بالا ہے یا میرے لئے گنجائش ہے کہ میں خود کو ان وزراء اور مقربین سے افضل سمجھوں۔"

بادشاہ اس جواب سے مطمئن ہو گئے اور اعزاز و اکرام کے ساتھ حضرت کو واپس کیا۔ برسر اقتدار وزارت کو بہت زیادہ خفت ہوئی اور پھر حضرت مجدد صاحب کی جانب سُلطانی توجہات کے میلان کا خطرہ اس خفت سے بھی زیادہ سخت تھا۔ اب برسر اقتدار پارٹی پہلے سے زیادہ چُست ہوئی اور یہ کہیئے کہ تحریک کے عمل اور ردّ عمل نے اصلی روپ اختیار کر لیا۔

حضرت مجدد صاحب کے لئے ممکن تھا کہ اس حکومت غیر راشدہ کے مقابلہ پر علم جہاد بلند کر دیتے۔ مگر جو شخص اپنے لئے حکومت کا خواہاں نہ ہو بلکہ حکومت کی اصلاح اس کا نصب العین ہو وہ خونریزی کو صرف اسی وقت ضروری سمجھے گا جب اس کے بغیر اور کوئی چارہ باقی نہ رہے گا۔ مقربین اور وزراء کی جماعت میں جو رسوخ پیدا کیا جا چکا تھا وہ اگرچہ فوری انقلاب نہیں کر سکتا تھا مگر انقلاب کی توقعات سے مایوسی بھی نہیں ہوئی تھی، ہاں ضرورت تھی کہ ان اصلاح پسند مقربین کے جذبات اصلاح کو مزید تقویت پہونچائی جائے اور اپنے نصب العین کو اتنا نمایاں اور بین کر دیا جائے کہ اسکے ماسوا کا اُن کو شک وشبہ بھی باقی نہ رہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان بادشاہوں کی خانہ جنگی اُس وقت اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ اگر حضرت مجدد صاحب قدس سرہ العزیز جہاد بالسیف کا اعلان فرماتے تو یہی مقربین یقین کر سکتے تھے کہ تحصیل حکومت کا ایک ڈھونگ رچا گیا ہے۔ اور حضرت مجدد صاحب قدس سرہ العزیز کے دعوی اصلاح کو بھی وہی اصلاح خیال کیجاتی جس کا اعلان ابراہیم لودہی کے مقابلہ پر بابر نے یا ہمایوں کے مقابلہ شیر شاہ سوری نے کیا تھا

نتیجہ کیا ہوا! یہی کہ ایک چیرہ دست کی جگہ دوسرے نے حاصل کر لی۔ علاوہ ازیں اکبر اپنے ۵۲ سالہ عہد میں ہندوؤں کے حوصلے اتنے بڑھا چکا تھا کہ اس جد وجہد اصلاح میں خود اقتدار مسلم کے زوال ہی کا خطرہ تھا۔ اس کے ماسوا شاہ عباس ایران میں شیعہ بادشاہ تھا۔ ہندوستان میں

شیعہ پارٹی برسر اقتدار تھی۔ کیا کوئی شک ہو سکتا ہے کہ ملکۂ نور جہاں کی امداد کے لئے ایرانی قزلباش دندناتے ہوئے ہندوستان نہ پہونچ جاتے بہر حال اسوقت ماہرانہ اور عاقلانہ لائحہ عمل اس کے سوا کچھ ہو ہی نہ سکتا تھا کہ وہ مقربین اور وزراء جو آوازِ اصلاح پر کان دھر سکتے تھے، اس آواز کو اُن کے دلوں کی گہرائیوں میں اتنا اُوتار دیا جائے کہ وہ سراسر اصلاح بنجائیں۔ دعوے بہت کچھ کئے جاتے ہیں مگر اُن کا اثر اور اُن میں قوت جاذبہ جب ہی پیدا ہوتی ہے کہ ایثار، قربانی۔ جفاکشی اور فداکاری سے اُن کی صداقت کا یقین پیدا کر دیا جائے۔ تمہیں یاد نہیں، دنیا کے سب سے بڑے مصلح نے ساری دنیا کے مقابلہ پر اپنی اصلاح پسندی کے دعوی کا ثبوت کس طرح دیا تھا۔ ۲۳ سالہ عہد نبوت کے بیشتر حصہ میں صبر آزما قربانیوں عبرت انگیز فداکاریوں سے اپنی صداقت کا نہ صرف یقین دلایا بلکہ صداقت کی آواز کو انصاف پسند مقابلین کے دلوں میں اس طرح اُتار دیا کہ وہ سرتاپا آواز صداقت بن گئے۔ اور وہی جو کافر تھے اب اشدّاء علی الکفار (کافروں کے مقابلہ میں شدید ترین طاقت) بن گئے۔

حضرت حمزہ۔ حضرت فاروق اعظم کی سیرت پڑھو اور دیکھو کہ بدترین کافر کس طرح رشید ترین مجاہد حق بن گئے۔ اور پھر غور کرو کہ یہ انقلاب "تلوار کی طاقت سے ہوا یا حق و صداقت، اخلاق و ضمیر، ایثار اور قربانیوں کی خاموش قوت سے۔

بلاشبہ یہ قومی اور نہایت مضبوط طریقہ جنگ ہے جو اُسوقت تک کیا جاتا ہے

جب تک اس کی کامیابی کے امکانات باقی رہیں اور اسی طرز جنگ کو آجکل
کی اصطلاح میں عدم تشدد کی جنگ کہا جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس
حقیقت سے نا آشنا نہ ہوں گے کہ جب مکہ معظمہ میں اس طریقہ جنگ کو
آزمایا جا رہا تھا تو تلوار اور قوت سے جنگ ممنوع تھی۔ جب وہ تمام طبیعتیں
جن کو انصاف پسندی کا کچھ بھی حصہ مرحمت ہوا تھا۔ ایک ایک کر کے
حلقہ بگوش ہو چکیں۔ اور صرف وہی ظاہر پرست ذہنیتیں باقی رہ گئیں جن کا
اعلیٰ انصاف قوت ہی ہوتا ہے اور تلوار کی چمک کے سوا کوئی نور اُن کی شوخ
اور دلیر آنکھ کو خیرہ کر ہی نہیں سکتا تب خاص خاص احتیاط اور شرائط کے
ساتھ تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ جنگ کے
یہ دونوں طریقے آج بھی مشروع ہیں[1] اور شریعت غرا موقع بموقع ہر ایک کے
اجرا کا حکم دے کر ایک ہی ثواب دونوں کے لئے تجویز فرماتی ہے۔ نہیں بلکہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو یہ ہے۔

افضل الجہاد کلمۃ حق عند	کہ سلطان ظالم کے سامنے
سلطان جائر وفی روایۃ	صداقت اور انصاف کا کلمہ ہر
کلمۃ عدل۔	ایک جہاد سے افضل ہے۔

بہر حال اس طرز جہاد کے لئے ضرورت تھی کہ حضرت مجدد صاحب رح
اپنی صداقت نیز سلطان اور سلطنت کی خیر خواہی کا آخری ثبوت پیش کریں

---

[1] ملاحظہ ہو اتقان فی علوم القرآن باب الناسخ والمنسوخ۔ نیز شرکت کانگریس
کے متعلق علماء مراد آباد کا بصیرت افروز فتویٰ جو کتب خانہ فخریہ مراد آباد سے صرف
ایک آنہ میں مل سکتا ہے۔ ۱۲

قدرت نے حضرت مجدّد صاحب کی کامیابی کے لئے اس کا ایک ذریعہ بہم پہونچا دیا۔ انہیں اقتدار کے دیوتاؤں نے موقع پاکر حضرت مجدّد صاحبؒ پر خفیہ سازش کی فردِ جرم عائد کردی، اور اب اس صورت سے سُلطان کو بدظن کیا گیا کہ:۔ شیخ احمد، دربار کے طریقوں کو خلاف شرع کہتا ہے۔ زمین بوسی اور سجدہ اور کورنش وغیرہ کے طریقے اُس کے نزدیک کفر و شرک کے مراسم اور حرام ہیں عام مسلمان اس کی اشتعال انگیزی سے متاثر ہوتے جا رہے ہیں اور خطرہ ہے کہ اگر یہی لیل و نہار رہا اور شیخ احمد کو کچھ اور مہلت دی گئی تو وہ اتنی قوت فراہم کرلے گا کہ اُس کا مقابلہ ناممکن ہوجائیگا۔ سجدۂ تعظیمی یا زمین بوسی سے انکار وہ جرم تھا جس کو جہانگیر اپنی آنکھ سے دیکھ چکا تھا۔ اسی طرح دوسرے الزامات کی تصدیق بھی، کسی پوشیدہ معمہ کا حل کرنا نہیں تھا۔ چنانچہ ارکان دولت کی رائے کو ہوا خواہی قرار دیا گیا اور تحفظ دولت کے تدابیر کے طور حضرت مجدد صاحب کی گرفتاری کا حکم صادر ہوا۔

ممکن ہے ہمارے منچلے جوان اسوقت برافروختہ ہو کر کہنے لگیں کہ آخر مجدّد صاحبؒ نے یہ بزدلی کیوں کی کہ خاموشی کے ساتھ گرفتار ہوگئے اور سینکڑوں جاں نثار خدّام جو اس وقت ہر ایک حربہ سے مسلح تھے اور سروں کو ہتھیلیوں پر لئے ہوئے قربان ہونے کیلئے تیار تھے اُن صبر و سکون کی پُر زور اور پُر اصرار تلقین کیوں کی، مگر میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ حضرت مجدد صاحبؒ کو قدرت نے سیاست اور انقلاب کی اعلیٰ سے اعلیٰ قابلیت عطا فرمائی تھی جو مرحلہ صرف اپنی ذرا سی پریشانی برداشت کرنے سے حل ہوسکتا تھا اُس میں قوت آزمائی کرکے

ایک موہوم کامیابی کی خاطر ہزاروں خون خراب کرنا کس طرح گوارا ہوتا۔
درحقیقت مجدد صاحبؒ کے صرف ایک جملہ نے برسراقتدار وزارت کو ایسی شکست دی کہ آخر تک مقابلہ کی طاقت تو درکنار، اپنا وجود بھی باقی رکھنا محال ہوگیا۔ "بادشاہ کی دوستی ساری مخلوق کی دوستی ہے، اُس کو نقصان پہونچانا ساری مخلوق کو نقصان پہونچانا ہے، جو بادشاہ کو نقصان پہونچائے میں اُس سے بیزار ہوں۔"

ممکن ہے جہانگیر تک یہ جملہ نہ پہنچا ہو یا پہنچا ہو مگر اُس نے وقت کی مرعوبیت پر محمول کرلیا ہو یا درحقیقت وہ اس جملہ کی تصدیق کا خواہاں ہو، بہرحال سردست تو یہ جملہ اثر انداز نہ ہوا۔ حضرت مجدد صاحبؒ گرفتار کرکے قلعہ گوالیار میں مقید کردئے گئے جو اس زمانہ کا "سنٹرل جیل" تھا۔ جہاں ہزاروں اخلاقی قیدی رہا کرتے تھے۔ حضرت مجدد صاحبؒ باخدا بزرگ تھے، پاک باطن ولی اللہ تھے۔ خیراندیش خادمِ خلق تھے، اور صلاح کوش مصلح تھے۔

جیلخانے میں پہونچے تو خلوت کے موقعے نصیب ہوئے، مراحل سلوک طے کرنے کا بہترین موقع ملا اور اُن ہزاروں بندگان خدا کی حالت پر غور فکر کا موقع ملا جو اخلاقی جرائم کی سزا میں جیل خانے پہونچے ہوئے تھے اور حبس و بند کی مصیبت نے بھی اُن کی چشم عبرت نہ کھولی تھی وہ دنیاوی جہنم میں بھی اُخروی جہنم کی تیاریاں کرکے خسرالدنیا والآخرۃ کا صحیح نمونہ بن رہے تھے حضرت مجدد صاحبؒ نے ایثار و خلوص کے کامل جذبات کے ساتھ ان لوگوں کو

نصیحت فرمانی شروع کی۔ جو بات دل سے نکلتی ہے دل میں گھر کرتی ہے۔
چنانچہ مجدد صاحبؒ کی نصیحت نے اُن لوگوں کے دلوں کو موہ لیا اور جامعہ
انسانیت کے یہ اسفل ترین ذرات چمکنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ
اصلاح، مشفقانہ وعظ و تذکیر کا یہ اثر ہوا کہ یہی ذرات، نور کی کرنیں نکلے
اور یہی دنیا کا جہنم پاکبازوں کی خانقاہ ہو گیا۔ بہت ممکن تھا کہ کئی ہزار کی یہ
مخلوق حضرت مجدد صاحب کی فوج بنتی۔ جیل خانے کے تالے توڑ دئے جاتے
اور قصرِ حکومت پر قبضہ کر لیا جاتا اور پھر رفتہ رفتہ مقابلہ کی طاقت بڑھا کر شیر شاہ
سوری کے زمانہ کی طرح ہمایوں کے پوتے کو بھی جلا وطن کر دیا جاتا۔
مگر یہ تدبیریں وہ سوچتا جس کو حکومت یا سلطنت مقصود ہوتی جو بندگانِ
خدا کی پیشانیاں اپنی چوکھٹ پر جھکوانے کا آرزو مند ہوتا لیکن جس کا
نصب العین یہ تھا کہ ہر مخلوق کی پیشانی بارگاہ خالق کی چوکھٹ پر رگڑی جائے
جھوٹی حکومتوں کا سکہ دُنیا داروں کے دلوں سے مٹا کر رب العالمین
کی حاکمیت کا پرچم جلال بھٹکے ہوئے دلوں کے ویران تعمیروں میں لہرایا جائے
وہ کب چاہ سکتا تھا کہ خود ملوکیت کا علم بلند کرے۔ اُس کا نصب العین تو
یہ تھا کہ مَلک کو عبد بنا دے
چنانچہ جو جملہ آپ نے گرفتاری کے وقت ارشاد فرمایا تھا وہی جیل خانہ
میں بھی آپ کا پروگرام تھا۔ اور جب بار بار آپ سے عرض کیا جاتا تو آپ کا
جواب یہی ہوتا:۔
بادشاہ کے لئے بد دُعا تمام مخلوق کے لئے بد دعا ہے، جو بادشاہ کو

نقصان پہونچائے میں اُس سے بیزار ہوں، بادشاہ نے میرا کچھ نہیں بگاڑا اگر قید و بند کے یہ امتحانات نہ ہوتے تو کیسے ممکن تھا کہ میں جیلخانہ کے ہزاروں بدنصیبوں کو راہ راست پر لاتا۔ اور بارگاہ ایزدی میں بلند مراتب حاصل کرتا۔ (انوار احمدیہ ص۱۳)

افسوس! آج تم وہ ہو کہ تمہاری سچی سے سچی آواز بھی، گائے بیل کی آواز سے زیادہ توجہ کی مستحق نہیں، تمہارے گوشت اور پوست میں اُن بے شعور اور بے درد آہنی کلائیوں کے فولادی پنجے گڑے ہوئے ہیں جن میں تمہارے درد و دُکھ کا شمہ بھر بھی احساس نہیں وہ صرف ایک چیز کے لئے تمہارے سر پر سوار ہیں کہ تمہاری بوٹیاں نوچیں اور اپنا پیٹ پالیں۔ مگر سُلطان جہانگیر منکر اور نکیر کا مثنیٰ نہیں تھا۔ وہ ہندوستانی بادشاہ تھا وہ ایشیائی حاکم تھا وہ عدل اور انصاف کے موقع پر اپنی جان کی مالک نورجہان اور رعیت کے ایک ادنیٰ انسان کو ایک آنکھ سے دیکھ سکتا تھا۔ لامحالہ حضرت مجدد صاحبؒ کی اسیرانہ زندگی کے کارنامے اُس کے کانوں تک پہونچے۔ اُس کو حضرت مجدد صاحبؒ کے ایثار، خلوص اور بہی خواہی کا بھی پورا تجربہ ہو گیا۔ مزید براں وہ مقربین خصوصی جن کو حضرت مجدد صاحب رح پہلے سے میدان اصلاح کا چُست سپاہی بنا چکے تھے وہ اور چُست ہو گئے۔ اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ کی اس مخلصانہ مظلومیت اور راستبازانہ اسارت نے اُن کے دلوں پر کیا اثر کیا ہو گا ہم اُن تمام تفصیلات سے نہ آگاہ ہیں نہ اُن کے تجسس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، ہاں اتنا معلوم ہے کہ صرف دو سال ہی گذرے تھے کہ خلوص

کے چھپے ہوئے سرچشمے اُمنڈنے لگے جن کی سیرابی جیلخانہ کی چار دیواریوں سے گذر کر سارے ملک کے اطراف واکناف میں پھیل گئی۔ حتیٰ کہ خمار زدہ جہانگیر بھی اس جدید نسیم صبا، اس نئی قسم کے گل و گلشن کا آرزو مند ہوگیا، یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ قدرت نے حضرت مجدد صاحب کے امتحانات کو کامیاب بنانیکے لئے ایک غیبی کمک بھی بھیجی تھی جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔ یہی جہانگیر، یہی حسن و عشق کا پجاری، یہی سفلی شہوت کے قربان گاہ پر شیر افگن کو بھینٹ چڑھانے والا، یہی یک سیر شراب و نیم سیر گوشت کے بدلے میں ملکۂ نورجہان کو تاج و تخت بخشنے والا۔ جب اسکی ابدی سعادت کے ازلی جوہر نے تابانی کا قصد کیا تو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اس مے گلفام کے بدمست نے رحمۃ للعٰلمین صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ انگشت مبارک دانتوں میں دبائے ہوئے فرمارہے ہیں

"جہانگیر! تونے کیتنے بڑے شخص کو گرفتار کردیا"

جہانگیر اپنی قسمت کی طرح جب نیند سے جاگا تو وہ بے تاب تھا۔ فوراً حضرت مجدد صاحبؒ کی رہائی کا حکم صادر کیا اور اپنی بارگاہ میں طلب کرلیا۔ اب حضرت مجدد صاحبؒ بارگاہ سلطانی میں تشریف لارہے ہیں تو وہ قیدی نہیں، قید سے رہائی پائے ہوئے مجرم نہیں بلکہ قید کرنے والے کے شیخ، آقا، مرشد اور پیر ہیں۔ جہانگیر نے معذرت چاہی اور مزید اطمینان کیلئے یا شرف صحبت سے فیضیاب ہونے کیلئے، کچھ دنوں شاہی کیمپ میں رہنے کی درخواست کی یا کہو حکم صادر کردیا۔ اس معیت اور صحبت سے جہانگیر کو اپنی قسمت سیدھی

کرنے کا اور بھی موقع مل گیا۔ اور جب اُس نے ہر طرح مجدّد صاحب رحمہ اللہ کو آزما لیا تو وہ حضرت مجدّد رح کا غلام تھا۔ اور ایسا گرویدہ کہ حضرت مجدّد صاحب کی خدمت سے علیحدگی اُسکو گوارا نہ تھی۔ وہ ہمیشہ یہی کوشش کرتا کہ حضرت اُس کے مہمان رہیں۔

سبحان اللہ یہ ہے انقلاب، یہ ہے ثمرہ خلوص و ایثار۔ دیکھا؟ مغل ایمپائر کے "تاجدارِ اعظم کو خدا کے ایک فقیر نے کس طرح بے داموں خرید لیا۔ سبحان اللہ والعظمۃ للہ۔

اب حضرت مجدّد صاحبؒ اور جہانگیر کے تعلقات کیسے تھے؟ ان کے اندازہ کے لئے ایک مکتوب درج کیا جاتا ہے جو اپنے صاحبزادوں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم قدس اللہ اسرارہما کے نام آپنے دہلی سے اُسوقت لکھا تھا کہ جب زندان بلا سے رہائی کے بعد آپ جہانگیر کے دربار میں بصد عزو احترام شریک کئے جاتے ہیں اور روزانہ بعد مغرب بادشاہ سے خاص صحبت رہتی ہے۔ یہ تیسری جلد کا مکتوب نمبر ۴۳ ہے

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین	اس طرف کے حالات بہت اچھے ہیں موقع
اصطفے، احوال و اوضاع این حدود	شکر کا ہے عجیب غریب صحبتیں گذاری
مستوجب حمدات صحبتہائے عجیب و	جارہی ہیں اللہ کی عنایت سے اپنی ان ساری
غریب می گذارند بعنایت اللہ سرمو	گفتگوؤں میں دینی امور اور اسلامی اصول
درین گفتگوہائے امور دینیہ و اصول	کے متعلق بال برابر کسی قسم کی نرمی یا سستی
اسلامیہ مساہلہ و مداہنت راہ نمی یابد	کا اظہار نہیں ہوا۔ وہی باتیں جو

وبہمال عبارات کہ در خلوات و در مجالس
خاصہ بیان می گردد درین معرکہ ہا بتوفیق
اللہ سبحانہ بیان می نماید اگر یک مجلس را نویسد
دفترے باید خصوصًا شب کہ شب ہفتدہم
رمضان بود آنقدر را از بعثت انبیاء
علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات و از عدم استقلال
عقل و از ایمان بآخرت و عذاب و ثواب
دران و از اثبات رویت و از خاتمیت نبوۃ
خاتم الرسل و از مجدد ہر مائۃ و از اقتدار
بخلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم
و سنت تراویح و از بطلان تناسخ و از
احوال جن و جنیاں و از عذاب و ثواب
ایشاں و امثال آنہا بسیار مذکور شد
و بحسن استماع مسموع گردید و ہم چنیں
درین ضمن اشیائے دیگر از احوال اقطاب
و ابدال و اوتاد و بیان خصوصیات ایشان
کذا و کذا مذکور گشت الحمد للہ سبحانہ
کہ بجا می ماند و تغیرے ظاہر نمی شود
درین واقعات و ملاقات شاید حق را

خاص مجلسوں اور خلوت میں بیان کیجاتی تھیں
ان معرکوں میں بھی حق تعالیٰ کی توفیق سے وہی
بیان ہورہی ہیں اگر میں کسی ایک مجلس کا بھی حال
لکھوں تو اسکے لئے ایک دفتر چاہئے خصوصًا آجکی
رات جو رمضان کی ۱۷ تاریخ ہے پیغمبروں علیہم
الصلوات والتسلیمات کی بعثت اور یہ کہ عقل
(زندگی کے تمام مسائل کیلئے) مستقل اور کافی نہیں ہے اور آخرت
عذاب و ثواب پر ایمان لانے، حق تعالیٰ کے دیدار،
اور خاتم الرسل (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ختم نبوت،
اور ہر صدی کے مجدد اور خلفائے راشدین کی پیروی
(رضی اللہ عنہم) اور تراویح کا مسنون ہونا، تناسخ
کا باطل ہونا، جن اور جنیوں کا ذکر انکے عذاب
و ثواب کا مسئلہ اور اسی قسم کی بہت سی باتوں کا ذکر
رہا، بادشاہ نے حسن و خوبی کیساتھ سنا، اسی سلسلہ میں
اقطاب و ابدال و اوتاد اور ان کی خصوصیتیں مثلاً یہ
یہ ہیں ان باتوں کا بھی ذکر آیا خداوند تعالیٰ کا شکر
ہے کہ بادشاہ ایک حال میں رہے اور کسی قسم کا کوئی
تغیر جو برہمی پر دلالت کرے اس کا اظہار نہ ہوا
شاید ان ملاقاتوں میں حق تعالیٰ کی مصلحتیں

سبحانہ وتعالیٰ مصلحتہا و سرہا مکنون بود والحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق۔
دیگر ختم قرآن را تا سورۂ عنکبوت رسانیدہ امشب کہ ازاں مجلس برگشتہ می آئم تراویح اشتغال می یابم این دولت عظمیٰ حفظ درین قرات کہ عین جمعیت بود حاصل گشت الحمد للہ اولاً و آخراً۔

ہوں اوران کے اسرار ان میں پوشیدہ ہوں شکر ہے اُس خدا کا جس نے مجھے اس بات کی طرف رہنمائی فرمائی ہم اُس راہ کو نہیں پاسکتے" اگر حق تعالیٰ راہ نہ دکھاتے بلاشبہ ہمارے پیغمبر حق کے ساتھ آئے، دوسری بات ختم قرآن سورۂ عنکبوت تک پہنچ چکا ہوں، رات کو جب اس مجلس (مجلس شاہی) سے واپس ہوتا ہوں تب تراویح میں مشغول ہوتا ہوں اور حفظ کی دولت اِن قراءتوں میں جو عین جمعیت تھی) حاصل ہوئی الحمد للہ اولاً و آخراً۔

اِس کے بعد حضرت مجدد صاحب قدس سرہ العزیز سرہند شریف تشریف لائے مگر سلطان کے حالات کی نگہداشت آپ کا نصب العین تھا، اور ہمت عالیہ مدبرانہ انداز میں اسکی جانب منعطف رہتی تھی۔

اصلاح حکومت کچھ زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ اصلاح حکومت کا وہ منشا مکمل طور پر حاصل ہوگیا جس کے لئے یہ تمام جد و جہد کی تھی یعنی شیخ فرید کو سلطانی حکم ملا کہ "چار دیندار عالم منتخب کرو" جن کے شورہ سے ملکی نظم و نسق کیا جائے تاکہ کوئی حکم خلاف شرع نہ ہو۔ اس حکم کی خبر پاکر اگرچہ حضرت مجدد صاحب نے چار کی میں ترمیم فرماکر صرف ایک عالم کے منتخب کرنے کی فرمائش کی مگر مقصود یہ ہے کہ حکومت کو شرعی نہج پر چلانے کا مدعا حاصل ہوگیا۔ چنانچہ مجدد صاحب نے شیخ فرید کو لکھا

الحمد للہ سبحانہ علیٰ ذلک مسلمانان را بہ ازیں

الحمد للہ۔ مسلمانوں کو اس سے بڑھ کر کونسی

چہ بشارت وماتم زدگان را بہ ازین چہ
نوید، لیکن چون حقیر بواسطہ ہمین غرض
متوجہ خدمت علیا است، چنانچہ مکرر
اظہار آن نمودہ بضرورت درین باب
از گفتن ونوشتن معاف نخواہد داشت
اُمید است کہ معذور خواہند فرمود،
"صاحبُ الغرض مجنون" معروض میگرداند
کہ علماء دیندار از خود اقل قلیل اند
کہ از حبّ جاہ و ریاست گذشتہ باشند
ومطلبی غیر از ترویج شریعت وتائید ملت
نہ داشتہ باشند بر تقدیر حبّ جاہ ہر کدام
ازین علما طرفی خواہند گرفت، اظہار
فضیلت خود خواہند نمود وسخنان اختلافی
درمیان خواہند آورد وآن را توسّل
قربت بادشاہ خواہند ساخت، ناچار
ہم درین امر خواہد شد، در قرن سابق
اختلافات علماء عالم را در بلا انداخت
وہمان صحبت در پیش است ترویج چہ
گنجائشی دارد کہ باعث تخریب دین خواہد

خوشی ہوگی اور ماتم زدوں کو اس سے زیادہ کیا
خوشخبری، لیکن چونکہ فقیر اسی غرض کے لئے خدمت
عالیہ کی طرف متوجہ ہے چنانچہ بار بار اس کا
اظہار ہو چکا لہٰذا اس معاملہ میں ضرورت کے
بموجب باتیں کہنے اور لکھنے سے معاف نہیں رکھ
سکتا، مجھے اُمید ہے کہ معذور سمجھیں، غرض والا
تو دیوانہ ہوتا ہے، عرض کرنا یہ ہے کہ ایسے
دیندار علماء جن کو جاہ، ومال کی چاہت بالکل
نہ ہو اور جن کے سامنے ترویج شریعت و احیاء
ملّت کے سواء کوئی نصب العین نہ ہو بہت
ہی کم بلکہ کم سے کم ہیں اور ظاہر ہے کہ اگر علما
میں منصب اور عزت کی خواہش ہوئی تو ہر
ایک اپنی طرف کھینچنا چاہے گا اور اپنی بڑائی
جتانے کی کوشش کرے گا اور پھر ان میں
اختلافات ہوں گے اور انہی کو یہ تقرب بادشاہی
کا ذریعہ بنائیں گے لامحالہ خلل پیدا ہو جائیگی
دور سابق میں علماء سوء ہی کے اختلافات نے
دنیا کو بلا میں ڈالا تھا اب وہی چیز پھر در پیش
ہے دین کی ترویج کیا، کہیں پھر تخریب نہ ہو

والعیاذ باللہ سبحانہ من ذلک ومن فتنۃ
العلماء السوء۔ اگر یک را برائے این غرض
انتخاب کنند بہتر ہی نماید اگر از علماء آخرۃ
پیدا شد چہ سعادت کہ صحبت او کبریت
احمر است و اگر پیدا نہ شود بعد از تأمل
صحیح بہترین این جنس را اختیار کنند
ہمچناں کہ خلاصی خلق بوجود علماء است
خسرانِ عالم نیز بایشاں مربوط است
[illegible]ین علما [illegible]ین عالم است و بدترین
ایشان بدترین خلائق ہدایت و اضلال ہا
بایشان مربوط ساختہ اند، عزیزے ابلیس
لعین را دید کہ فارغ و بیکار نشستہ است
سرآن را پرسید گفت علماء این وقت
کار ما می کنند و در اغواء و اضلال کافی اند
عالمے کہ کامرانی و تن پروری کند
او خویشتن گم است کرا رہبری کند
غرضیکہ دریں باب فکر صحیح و تأمل صادق
مرعی داشتہ اقدام خواہند نمود چون کار
از دست برود علاجے نمی پزیرد ﷺ

والعیاذ باللہ اگر بجائے چار کے ایک ہی عالم
کو اس کے لئے انتخاب کریں تو بہتر ہے۔
اگر علماء ربانی ہیں سے مل جائیں تو کیا کہنا
اُن کی صحبت تو کبریت احمر ہے اور اگر کوئی
خالص اللہ والا میسر نہو تو پھر خوب غور و فکر
سے جس کو بہتر سمجھیں اُس کو اختیار کریں،
جس طرح مخلوق کی نجات علما کے وجود سے ہے
اسی طرح لوگوں کا خُسران بھی انہیں سے
وابستہ ہے بہترین علما بہترین خلائق ہیں
اور بدترین علما بدترین خلائق ہدایت اور
گمراہی انہیں سے وابستہ ہے، ایک بزرگ
نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ بیکار اور نچنت بیٹھا
ہے اس سے اسکی وجہ پوچھی اُس نے کہا کہ
اس زمانہ کے علما میرا کام انجام دیرہے ہیں
کام جس عالم کا ہوگا غفلت وتن پروری
دوسروں کی کس طرح پھر کرسکیگا رہبری
میرا مقصد یہ ہے کہ اس معاملہ میں اچھی طرح
غور و فکر کرکے کوئی قدم اُٹھائیں جب بات
ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو پھر کوئی علاج نہیں ہوسکتا

اس سلسلہ میں ایک گرامی نامہ آپ نے "صدر جہاں" کو بھی لکھا ہے۔ اسمیں حق تعالیٰ کی حمد و ثنا اور دعوات صالحہ کے بعد ارقام فرماتے ہیں۔

شنیدہ شد کہ بادشاہ اسلام از حسن استعداد اسلامی خواہان علماء اند۔ الحمد للہ سبحانہ علیٰ ذلک معلوم شریف است کہ در قرن سابق ہر فسادے کہ پیدا شد از شومی علماء سوء بظہور آمد و درین باب تتبع تمام مرعی داشتہ از علماء دیندار انتخاب نمودہ اقدام خواہند فرمود علماء سوء لصوص دین اند۔ مطلب ایشاں حُبِّ جاہ و ریاست و منزلت نزد خلق است والعیاذ باللہ من فتنتہم آرے بہترین ایشاں بہترین ایشان اند کہ فردائے قیامت سیاہی ایشان را بخون شہدائے فی سبیل اللہ وزن خواہند کرد پلہ این سیاہی خواہد چربید۔ شر الناس شرار العلماء و خیر الناس خیار العلماء۔ مکتوب ۵۵ (ص ۹۵/۱۲)

سنا گیا ہے کہ بادشاہ اب اسلامی رجحانات کی وجہ سے کچھ علما چاہتے ہیں (الحمد للہ علیٰ ذلک) آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ پچھلے دور میں جو فساد آیا وہ علماء سوء ہی کی کمبختی سے پیدا ہوا تھا لہٰذا اس بارہ میں خوب تحقیق و تلاش کرکے دیندار علماء کا انتخاب فرمایا جائے، علماء سوء دین کے چور ہیں اور ان کا مطمح نظر صرف منصب اور پیسہ اور لوگوں کے نزدیک ذی عزت ہونا ہے (خدا ان کے فتنے سے محفوظ رکھے) ہاں ان میں جو اچھے ہیں وہ افضل ترین خلق ہیں وہی وہ ہیں کہ روز قیامت ان کی روشنائی شہدا کے خون کے ساتھ تولی جائیگی اور اس روشنائی کا پلہ بھاری رہے گا۔ لوگوں میں سب سے بدتر برے علماء ہیں اور سب سے اچھے، اچھے علماء ہیں۔

جہانگیر کی توبہ بہرحال ان مجالس خصوصی اور توجہات کی برکت تھی کہ بادشاہ نے آپ کے دست حق پرست پر توبہ کی، شراب و کباب اور دوسری منہیات سے

ایسی کامل بے تعلقی اختیار کی کہ باید وشاید۔ وہی بادشاہ جس کے غرور اور بدمستی کی یہ حالت تھی کہ اپنے لئے سجدہ کراتا تھا۔ سجدۂ تعظیمی کے جواز کے فتوے علماء سے لئے تھے وہی بادشاہ آخر عمر میں کہتا ہے۔

"میں نے کوئی کام ایسا نہیں کیا کہ جس سے نجات کی اُمید ہو۔ البتہ میرے پاس ایک دستاویز ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ دستاویز یہ ہے کہ مجھ سے ایک روز شیخ احمد سرہندی نے فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں جنت میں لیجائیگا تو تیرے بغیر نہ جائیں گے"۔

جہانگیر مجدد صاحب کے لنگر خانہ میں جہانگیر کے اقبال نے یہاں تک ترقی کی کہ سرہند میں حضرت امام ربانی کا مہمان بننے اور آپ کے باورچی خانہ کا کھانا کھانے کا شرف حاصل کیا۔ کھانا اگرچہ بالکل سادہ تھا مگر بادشاہ نے کہا کہ میں نے ایسا لذیذ کھانا کبھی نہیں کھایا[1]۔

شاہ جہان اور عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام ربانی ہی کی برکت تھی کہ جہانگیر کی صلب سے شاہ جہاں جیسا دیندار بادشاہ پیدا ہوا جس کو حضرت مجدد صاحبؒ سے بیعت ہونے کا حکم خود جہانگیر نے دیا تھا۔ شاہ جہاں اور عالمگیر کے ظاہری اور باطنی کمالات بھی بارگاہ مجددیہ کا طفیل تھے۔

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد صاحب کے سلسلہ میں عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے علوم شرعیہ کی فراغت کے بعد باقاعدہ سلوک طے کیا تھا۔ حضرت امام ربانی کے خاندان عالی شان سے محبت تو میراث تھی علم شریعت نے اس موروثی محبت کو اور راسخ کر دیا تھا۔

---

[1] الخطبۃ الشوقیۃ ۱۲

حتی کہ حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم فرزند خلیفہ امام ربانی سے درخواست کی کہ میری تعلیم باطنی کیلیئے اپنے کسی خلیفہ کو بھیجدیجیئے، آپ نے اپنے نور نظر حضرت شیخ سیف الدین کو دہلی بھیجا انہیں کی صحبت اور توجہ سے عالمگیرؒ کو نسبت باطنی کا لازوال شرف حاصل ہوا جس کی گواہ کتاب "رقعات عالمگیری" ہے۔ شیخ نے دہلی پہونچکر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بڑی سختی سے ادا فرمایا۔ بادشاہ نے ایسی سختی قبل از بادشاہی بھی کسی کی برداشت نہ کی ہوگی۔ قلعہ کے دروازہ پر دو ہاتھیوں کی تصویر مع فیلبان کے تھیں، حیات بخش باغ کے حوض میں سونے کی مچھلیاں پڑی ہوئی تھیں جن میں قیمتی جواہر جڑے ہوئے تھے حضرت شیخ نے یہ سب چیزیں تڑوادیں۔ اورنگ زیبؒ نے حضرت شیخ کی تشریف آوری کا شکریہ حضرت عروۃ الوثقیٰ کو لکھکر بھیجا جس کا جواب مکتوبات معصومیہ میں یہ ہے:- "چہ نعمتے است کہ با این ہمہ طمطراق بادشاہی و دبدبۂ سلطانی کلمۂ حق بسمع قبول افتد و گفتۂ نامرادے مؤثر شود" حضرت شیخؒ نے پھر اپنے والد بزرگوار کو بادشاہ کے حالات باطنی کی اطلاع دی جس کا جواب مکتوبات معصومیہ کے دفتر سوم میں بایں عبارت ہے:-

"آنچہ از احوال بادشاہ دیں پناہ مرقوم نمودہ بودند از سرایت ذکر در لطائف و حصول سلطان ذکر و رابطہ و قلت خطرات و قبول کلمۂ حق و رفع بعضے منکرات و ظہور لوازم طلب و ہمہ بوضوح پیوست شکر خداوندی جل شانہ بجا باید آورد، در طبقۂ سلاطین این نوع امور حکم عنقائے مغرب دارد"

اصلاح حکومت حضرت مجددؒ صاحب کی سالہا سال کی جد و جہد نے کس قدر انقلاب پیدا کر دیا، بدست بادشاہ اور اس کے بدست اہل و عیال کو کس طرح سیدھی

راہ پر لگا دیا وہ سابق تحریر سے معلوم ہو چکا - والحمد للہ - لیکن سوال یہ ہوگا کہ ذات سلطانی کی اصلاح تو حکومت کی اصلاح نہیں کہی جا سکتی - سلطنت اور چیز ہے، اور ذاتِ سلطانی اور چیز - اگر سلطان صوم و صلوٰۃ کا پابند، شب بیدار، زاہد و عابد ہو لیکن اس کے ارکان دولت سرشار و بدمست، ظالم اور جفا کار ہوں، یا وہ بھی نیک اور متقی ہوں مگر نظامِ حکومت مستبدانہ اور جابرانہ ہو تو اس کو اصلاح حکومت نہیں کہا جا سکتا -

بیشک ہمارے نظریہ کے بموجب اصلاح تو وہ تھی کہ شخصیت کو فنا کر کے وہی جمہوریت پیدا کر دی جاتی جو خلافت راشدہ میں تھی - بہر حال اب سوال دو ہو گئے

(۱) خلافت راشدہ کے طرز پر جمہوریت کیوں نہیں پیدا کی

(۲) نظام حکومت کے لئے کون سا قانون تجویز کیا گیا -

سوال اوّل کا جواب دینے سے ہم سر دست قاصر ہیں - ممکن ہے حضرت مجدد صاحبؒ کا آخری نظریہ یہی ہو کہ وراثت اور تناسل کی بناء پر استحقاق حکومت کے بجائے خلافت راشدہ کے اصول پر انتخاب یا نامزدگی سے سلاطین کا تقرر ہوا کرے جس کی کسی وجہ سے تکمیل نہ ہو سکی واللہ اعلم -

البتہ سوال دوم کے متعلق ہمارے پاس جواب شافی ہے - یعنی یہ کہ سلطان جہانگیر نے کچھ دنوں بعد نواب سید فرید صاحب کو لکھا کہ :- "چار دیندار عالم منتخب کرو جن کے مشورہ سے امور ملکی کا نظم و نسق ہو" بلا شبہہ یہ بھی وہ چیز تھی جس کے لئے تمام جد و جہد کیگئی اور خدا کا شکر ہے آج وہ کامیاب ہوئی مگر عجیب لطیفہ یہ ہے کہ حضرت مجدد صاحب نے یہ سنکر فوراً نواب فرید صاحب کو تحریر فرمایا - کہ چار کی رائے مناسب نہیں - کوشش کرو کہ صرف ایک عالم ہو نچے - (یہ مکتوب

ص۱۱۶ پر گذر چکا۔

جمہوریت پسند حضرات کو اب سوال پیدا ہوگا کہ یہ تو استبداد در استبداد اور شخصیت در شخصیت ہوگئی کہ بادشاہ کا نسلی استحقاق پہلے سے رائج تھا اب اُس کے مشورہ کے لئے صرف ایک عالم۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ قانون شرعی کو اگر آئین حکومت بنالیا جائے تو اُس کے معنی یہ ہیں کہ حاکم محکوم، راجا پرجا، امیر غریب، مزدور اور سرمایہ دار، کاشتکار اور زمیندار، فاتح اور مفتوح، غرض تمام ہی سوالات ایسے اعلیٰ نہج سے حل ہوجاتے ہیں کہ کسی کے حق میں بھی کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔

کسی قدر توضیح تو انشاءاللہ آئندہ آئے گی۔ مختصراً یہ عرض ہے کہ جس قانون کو قانون اسلام کہا جاتا ہے وہ کسی ایک شخص، ایک قوم یا کسی ایک ملک کے باشندوں کا بنایا ہوا نہیں ہے جس سے دوسرے افراد، دوسری قوموں یا دوسرے ملک والوں کے لئے جغرافیائی یا نسلی امتیازات کے بموجب کوئی نقصان پہونچ سکے وہ ایک ایسے حاکم، ایسے مالک کا بنایا ہوا ہے جو تمام انسانوں، تمام جانداروں، تمام جہانوں کا خالق اور مُربّی ہے، ربُّ العالمین اُس کا لقب ہے، ارحم الراحمین اسکی صفت ہے، اب کسی دیندار عالم کے مشیر ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ نظام ملکی تنہا اپنی رائے پر چلا رہا ہے بلکہ اُس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مکمل اور کامل قانون کی دفعات بتانے والا ہے اور دیندار ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ ان دفعات کے بتانے میں کوتاہی یا خیانت نہیں کرتا۔

چار کے بجائے ایک کی وجہ بلاشبہ دو چار علماء ربانی ہوں تو وہ دفعات

اور قوانین کے بنانے میں اور بھی زیادہ مفید ثابت ہوں گے، مگر یہ فساد زمانہ تھا کہ حضرت مجدد صاحب قدس سرہ العزیز نے چار کے انتخاب کو خطرناک خیال فرمایا

اسی تحقیق اور توضیح سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سُلطان کے بجائے خلیفہ اور سلطنت کے بجائے خلافت کے قیام کی کیوں نہیں کوشش فرمائی۔ بظاہر اُس زمانہ کے یہی گندہ حالات ابھی اس کے متحمل نہ ہوں گے، اور جیسا کہ اس مکتوب کے اشارات سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہی زمانہ اب بھی باقی تھا جو سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی سُرخ تاریخ کا حامل ہے۔

بلکہ اس سے کہیں زیادہ بدتر ایسی صورت ہیں۔ اگر قیام خلافت کی جدوجہد بھی کیجائے تو ان علمار سُوء کی موجودگی میں اکات جائے گی۔ بظاہر اسی خیال نے حضرت مجدد صاحب رح کو قیام خلافت کی جدوجہد سے باز رکھا۔ مگر یہ کسی طرح بھی نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت مجدد صاحبؒ اسی پر راضی اور خوش تھے۔ آئندہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ العزیز اور حضرت سید صاحب رح و مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کے حالات میں ان اکابر کے سیاسی نظریوں کو بھی بیان کیا جائے گا (انشاء اللہ)

آپ دیکھیں گے کہ اس مقدس خاندان کے سامنے نظامِ حکومت کی ایک خاص شکل ہے جس میں اگرچہ سلطنت کو بھی خاص خاص شرائط کے ساتھ جائز کہا گیا ہے۔ مگر آخری مجبوری کی شکل میں۔ (ملاحظہ ہو بدور بازغہ۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ منصب امامت، ایضاح الادلہ وغیرہ جنکے اقتباسات آئندہ حصص میں آئیں گے۔ انشاء اللہ)

کمالاتِ مجدّدیہ

یہاں تک جو کچھ درج کیا گیا۔ اس کا تعلق سیاسی حالات سے تھا، جو تاریخی شواہد کے ساتھ درج کئے گئے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ہم جیسے کور باطن تاریخ کے اوراق کو سامنے رکھ کر واقعات کے اسباب اور دعووں کے دلائل تلاش کرنے کے عادی ہیں کسی روحانی کارنامہ کے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ لہذا معین طور پر یہ دعویٰ تو یقیناً بے محل ہے کہ مجدّدیت کی جو دلیل ہم تاریخ کی روشنی میں پیش کریں گے صرف وہی ایک دلیل ہے، البتہ یہ یقیناً کہیں گے کہ تاریخ بھی اپنے اوراق کے دامنوں میں کچھ ایسے واقعات چھپائے ہوئے ہے جن کے انجام دینے والے کو لامحالہ مجدّد ہی کہنا چاہئے۔

اب جبکہ تاریخی حیثیت سے اپنے فرض کے انجام دہی سے بفضلہ تعالیٰ فراغت ہوچکی تو مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن روحانی امور کے متعلق بھی، خروارِ مقدس میں سے ایک مشت پیش کردی جائے تاکہ خاکسار کا یہ اندوختہ ایک حد تک تکمیل حاصل کر سکے۔ اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مجدّد الف ثانی امام ربّانی کے حالات اور اس ناکارہ اور ناچیز کا قلم۔ کیا مجال ہے کہ ذرہ بیمقدار آفتاب عالمتاب کی رُونمائی کا دعوی کرے اور قطرۂ ناپائدار متلاطم سمندر کی نقل اُتارے، لیکن تکمیل سیرت کے تخیّل کے ساتھ قلم لرز رہا ہے، طبیعت بھی جاتی ہے۔ جس راستہ سے ناواقفیت ہو اسکی رہنمائی کا دعوی

وہی ہے

افتوا بغیر علم فضلّوا واضلّوا

مگر مسرّت ہے کہ ہمارے محترم بزرگ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے عین وقت پر مدد فرمائی، آپ کا رسالہ الخطبۃ الشوقیہ فی الحضرۃ المجددیہ سامنے ہے جو مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کے الفرقان کی بدولت ہم تک پہونچا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی رسالہ کا ایک حصہ اس موقعہ پر پیش کر دیا جائے

المختصر یہ مصائب اس طرح ختم ہو گئے اور آخری نتیجہ یہ رہا کہ حق کی فتح ہوئی اور دشمن ذلیل و خوار ہوئے اور حضرت امام کے اثرات طیبات روز افزوں ترقی کرتے گئے حضرت ممدوح نے جو خطوط اپنے مخلصین کو ان مصائب میں مبتلا ہونے کی حالت میں لکھے ہیں، اُن کو دیکھکر ایمان تازہ ہوتا ہے۔

مکتوب ۲۰۲ دفتر اول حصہ سوم ص ۹۶ میں اپنے مرید خاص حضرت میر محمد نعمان بدخشی کو اُن کی اس خبر دہی کے جواب میں کہ حضرت والا کے لئے یہ یہ سازشیں ہو رہی ہیں لکھتے ہیں:۔

خدمت میر محمد نعمان از سخنان پریشان ارباب خسران محنت نکشند کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ لائق آنکہ بمکافات و مجازات متعرض نشوند دروغے را فروغے نیست باعث کسادت بازار آنہا کلمات متناقضہ آنہا خواہد بود مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ شغلیکہ در پیش دارند در ہمان کوشند و از غیر آن چشم بپوشند قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ فِیْ خَوْضِھِمْ یَلْعَبُوْنَ۔

مکتوب ۱۱۸ دفتر اول حصہ دوم ص۱۲۱ میں اپنے متعلق معاندین کی ریشہ دوانی سُنکر لکھتے ہیں:۔

کتابتے کہ محبت آثاری مولانا محمد قاسم علی فرستادہ بودند رسید مضمون بوضوح پیوست قال اللہ تعالیٰ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَیْھَا خواجہ عبداللہ انصاری می فرمایند الٰہی ہر کہ را خواہی براندازی با ما در اندازی، بیت

ترسم آن قوم کہ بر دردکشان می خندند ٭ بر سر کار خرابات کنند ایمان را

حق سبحانہ وتعالیٰ کافہ اہل اسلام را از انکار فقرا وطعن در ایشان نگاہ دارد بحرمۃ سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والسلام

مکتوب نمبر ۵ دفتر سوم حصہ ہشتم ص۱۴ میں قید خانہ سے حضرت میر محمد نعمان کو لکھتے ہیں:۔

مخفی نماند کہ تا زمانے کہ بعنایۃ اللہ سبحانہ کہ آن عنایت بصورت جلال وغضب او تعالیٰ تجلی فرمودہ بود محبوس قفس زندان نگشتم از تنگنائے ایمان شہودی بالکلیہ نرستم واز پس کوچہائے ظلال خیال ومثال تمام نبرآمدم و در شاہراہ ایمان بغیب مطلق الدنان تبختر ننمودم و از حضور بغیب و از عین العلم و از شہود باستدلال بر وجہ کمال نہ پیوستم و ہنر دیگران را عیب و عیب دیگران را ہنر بذوق کامل و وجدان بالغ نیافتم و شربتہائے خوشگوار بے ننگی و ناموسی و مزہائے مزہ دار خواری و رسوائی را نہ چشیدم و از جمال طعن و ملامت خلق حظ نگرفتم و از حسن بلا

وجفاہائے مردم محظوظ نشدم وکالمیت بین یدی الغسال گشتہ بالکلیہ ترک ارادہ و اختیار نکردم و رشتہ ہائے تعلق آفاق و انفس را بہ تمام و کمال نگسستم و حقیقت تضرع و التجا و انابت و استغفار و ذل و انکسار را بدست نیاوردم و قسطاس رفیع المنزلت استغنائی حق سبحانہ را کہ محفوف بسرادقات عظمت و کبریائی ست مشاہدہ ننمودم و خود را بندۂ خوار و زار و ذلیل و بے اعتبار و بے ہنر و بے اقتدار و با کمال احتیاج و افتقار معلوم نساختم و ما ابری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی لغفور رحیم اگر بمحض فضل تواتر فیوض و واردات الٰہی جل سلطانہ و توالی عطیات و انعامات نامتناہی او سبحانہ درین محنت کدہ شامل حال این شکستہ بال نمی شد نزدیک بود کہ معاملہ بیاس رسد و رشتہ امید گسستہ گردد الحمد للہ الذی عافانی فی عین البلاء و اکرمنی فی نفس الجفاء و احسن بی فی حالۃ العناء و وفقنی علی الشکر فی السراء و الضراء و جعلنی من متابعی الانبیاء و من مقتفی آثار الاولیاء و من محبی العلماء و الصلحاء صلوات اللہ سبحانہ و تسلیماتہ علی الانبیاء اولاً و علی متابعیہم ثانیاً۔

مکتوب ۶؎ دفتر سوم حصہ ہشتم ۱۵ میں اپنے مخلص حق گزین شیخ بدیع الدین کو قید خانہ سے لکھتے ہیں:-

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی صحیفہ شریفہ کہ بمصحوب شیخ فتح اللہ ارسال داشتہ بودند رسید از جفا و ملامت خلق نوشتہ بودند آن خود جمال این طائفہ است و صیقل زنگار ایشان است باعث قبض

وکدورت چرا باشد۔ اوائل حال کہ فقیر باین قلعہ رسید محسوس می شد
کہ انوار ملامت خلق از بلاد وقری در رنگ سحابہائے نورانی پے در پے
میرسند وکار را از حضیض باوج می برند سالہا تربیت جمالی قطع مراحل
می نمودند الحال تربیت جلالی قطع مسافت نمایند و در مقام صبر بلکہ
در مقامِ رضا باشند وجمال وجلال را مساوی دانند، نوشتہ بودند کہ
از وقت ظہور فتنہ نہ ذوق ماندہ است ونہ حال، باید کہ ذوق وحال
مضاعف باشد کہ جفائے محبوب از وفائے او بیشتر لذت بخش است
چہ بلا شد کہ در رنگ عوام سخن کردہ آید و دور از محبت ذاتیہ رفتہ آید
برخلاف گذشتہ جلال را بیش و ایلام را زیادہ از انعام تصور نمایند
زیرا کہ در جمال و انعام مراد محبوب مشوب بمراد خود است و در جلال و ایلام
خالص مراد محبوب است وخلاف مراد خود است اینجا وقت و حال
ورائے وقت و حال سابق است شتان ما بینہما از زیارت حرمین
شریفین نوشتہ بودند چہ مبالغ است حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ،

مکتوب ۵ دفتر دوم حصہ ہفتم ما، میں اپنے خادم رفیع المکان میرزا مظہر جان
کو لکھتے ہیں۔

درد محن وبلیات دنیویہ مر دوستان را کفارہ است مزلات ایشان را
بتضرع وزاری وبابتا دانکسار عفو وعافیت از جناب قدس او تعالےٰ
باید طلبید تاکہ زمانے کہ اثر اجابت مفہوم شود وتسکین فتن معلوم
گردد، ہرچند دوستان وخیر اندیشان درہمیں کار اند اما صاحب معاملہ

احق باین کار است دارو خوردن و پرہیز نمودن کار صاحب مرض است دیگران بیش از اعوان او نیستند در ازالہ مرض حقیقت معاملہ آن است کہ ہر چہ از محبوب حقیقی برسد باکشادگی جبین و با فراخی سینہ اورا بمنت قبول باید کرد بلکہ بآن مستلذ باید گشت رسوائی و بے ناموسی کہ مراد محبوب است نزد محب بہتر از ناموس و ننگ و نام است کہ مراد نفس او است اگر این معنی در محب حاصل نگردد در محبت ناقص است بلکہ کاذب ؎

گر طمع خواہد زمن سلطان دیں ؎ خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

مکتوب ۱۵ دفتر سوم حصہ ہشتم ۲۴ حضرت میر محمد نعمان کو قید خانہ سے لکھتے ہیں۔

سیادت پناہ اخوی میر محمد نعمان را معلوم بودہ باشد کہ مفہوم شد کہ ہر چند ان خیر اندیش در تثبت اسباب خلاصی کوشیدند سود مند نیامد الخیر فیما صنع اللّٰہ سبحانہ بارے ازیں بمقتضائے بشریت حزنے پیدا شد و در سینہ تنگی ظاہر گشت بعد از زمانے بفضل حق جل سلطانہ آن ہمہ حزن و تنگی سینہ بہ فرح و شرح صدر مبدل گشت و بہ یقین خاص دانست کہ اگر مراد این جماعت کہ در صدد آزارند موافق مراد حق است جل سلطانہ پس کرہ و تنگی سینہ بے معنی است و منافی دعوی محبت است چہ ایلام محبوب در رنگ انعام او نیز محبوب و مرغوب محبت است، محب چنانکہ از انعام محبوب لذت میگیرد

و از ایلام او نیز ملتذ می گردد بلکه در ایلام او لذت بیشتر می یابد که از
شائبه حظ نفس و مراد او مبراست و چون حضرت حق سبحانه وتعالی که
جمیل مطلق است آزار این کس خواسته باشد ہر آئینہ این ارادہ او تعالے
نیز در نظر این کس بعنایت او سبحانه وتعالی جمیل است بلکه سبب التذاذ است
و چون مراد این جماعت موافق مراد حق است سبحانه و این مراد دریچه ظهور
آن مراد است ہر آئینہ مراد آنها نیز بنظر مستحسن و موجب التذاذ است
فعل شخصے که مظہر فعل محبوب بود فعل آن شخص نیز در رنگ فعل محبوب
محبوب است و آن شخص فاعل نیز بعلاقه این نظر در نظر محب محبوب
مے درآید عجب معامله است ہر چند جفا ازین شخص بیشتر متصور بود در
نظر محب زیبا ترمے آید که نمایندگی صورت غضب محبوب بیشتر دارد۔
کار دیوانگان این راه وا ژگونه است۔ پس بدی آن شخص خواستن
و بوئے بد بودن منافی محبّت محبوب بود که آن شخص بیش از مرآت
فعل محبوب ہیچ نیست۔ جمعے که متصدی آزارند در نظر محبوبے درآیند
نسبت بسائر خلائق، بیاران بگویند که تنگیهائے سینه را دور سازند و
جماعتے که در صدد آزار ربدنباشند بلکه از فعل آنها لذت گیرند
آرے چون بدعا مامور یم و حضرت حق سبحانه را دعا و التجا و تضرع و زاری
خوش می آید دعائے دفع بلیه می نمایند و سوال عفو و عافیت کنند،
و آن که مرآة صورت غضب گفته شده زیرا که حقیقت غضب نصیب
اعدا است با دوستان بصورت غضب است و بحقیقت عین رحمت

است، درین صورت غضب چنان منافع محب ودیعت نہادہ اند کہ چہ شرح دہد ونیز در صورت غضب کہ بوستان عطامی فرمایند. خرابی جماعت منکران است و باعث ابتلائے ایشان و معنی عبارت شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہ معلوم نمودہ باشند کہ گفتہ است عارف را ہمت نیست" یعنی ہمتے کہ قصد دفع بلیہ شود از عارف مسلوب است زیراکہ چون بلیہ را عارف از محبوب داند و مراد محبوب تصور نماید بدفع آن چہ نوع ہمت بندد و رفع آن چہ گونہ خواہد اگرچہ بصورت دعا و دفع بر زبان آرد و از جہت امتثال امر دعا اما فی الحقیقت ہیچ نمی خواہد با نچہ میرسد ملتذ است والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

ان مکتوبات قدسیہ کو دیکھو حق تعالیٰ کیساتھ کیسا صحیح تعلق تھا اور کیسی مثالی محبت تھی کہ ایسی تکالیف میں بھی اسکی طرف سے نظر نہ ہٹی اور چونکہ وہ تکالیف محبوب کی طرف سے تھیں لہٰذا ان میں کیسی لذت مل رہی ہے۔ کیوں نص قرآنی ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ،

اس آخری خط میں جواب ہے اُن جذبات کا جو حضرت میر محمد نعمان اور دوسرے خدام عالی مقام کے دل میں پیدا ہو رہے تھے کہ ہمت باطنی کے ساتھ بددعا کر کے موذیوں کو برباد کر دیا جائے اور یہ چیز ان حضرات کیلئے کچھ مشکل نہ تھی جن کے حق میں ارشاد نبوی ہے کہ لو اقسم علی اللہ لابرہ وہ چاہتے تو سلطنت تہ و بالا ہو جاتی ولنعم ما قال العارف الش[illegible] فی امثالہم

گرد بے عملد ار عزلت نشیں قدمہائی خاکی دم آتشین

بیک نالہ ملکے بہم بر کنند　　بیک نعرہ کوہے زجا بر کنند

قوی بازوانند کوتاہ دست　　خردمند دیوانہ ہشیار ہست

حضرت امام ربانی نے ان جذبات کو ٹھنڈا کر دیا اور بجائے ان انتقامی جذبات کے ان موذیوں کے لئے دعاء خیر کے جذبات دلوں میں بھر دئے

آن کشتہ ہیچ حق محبت ادا نکرد　　کز بہر دست بازو قاتل دعا نکرد

مکتوب ۲۹ دفتر دوم حصہ ششم ص ۶۷ میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کو قید خانہ سے لکھتے ہیں۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفے۔ مخدوما مکرما در ورود مصائب ہر چند تحمل اذی است اما اُمید کہ انتہا ست بہترین امتعہ این نشاۃ حزن و اندوہ است وگوارا ترین نعم این مائدہ الم و مصیبت این شکر پارہا را بہ اروئے تلخ غلاف رقیق فرسودہ اند و باین حیلہ راہ ابتلاء نمودہ سعادتمندان نظر بر حلاوت آنہا انداختہ آن تلخی را در رنگ شکر می خابند و مرارت را بر عکس صفرا شیرین می یابند۔ چرا شیرین نیابند کہ افعال محبوب ہمہ شیرین اند علتی مگر آن را تلخ یابد کہ بماسوی گرفتار است دولتمندان در ایلام محبوب آن قدر حلاوت ولذت می یابند کہ در انعام او متصور نباشد ہر چند کہ ہر دو از محبوب اند لیکن در ایلام نفس محب را مدخلے نیست و در انعام قیاہم مراد نفس است ع

هنيئاً لأرباب النعيم نعيمها

۲ اللهم لا تحرمنا اجرهم و لا تفتنا بعدهم ۔ دجوہ شریفہ را

دریں غربت اسلام اہل اسلام را مغتنم است سلمکم اللہ سبحانہ وابقاکم والسلام

غالباً شیخ نے اس مصیبت میں ہمدردی کا خط بھیجا ہوگا۔ یہ اسی کا جواب ہے

مکتوب ۷ دفتر سوم حصہ ہشتم مشہ صاحبزادگان عالی شان حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت خواجہ محمد معصوم کو قید خانہ سے لکھتے ہیں

الحمد للہ رب العلمین فی السراء والضراء وفی العسر والیسر وفی النعمۃ والنقمۃ وفی الرحمۃ والزحمۃ وفی الشدۃ والرخاء وفی العطیۃ والبلاء والصلوۃ والسلام علی من ما اوذی نبی مثل ایذائہ وما ابتلی رسول نحو ابتلائہ ولہذا سار رحمۃ للعالمین وسید الاولین والآخرین۔

فرزندان گرامی۔ وقت ابتداء ہرچند تلخ وبے مزہ است اما اگر فرصت دہند مغتنم ست۔ دریں وقت چوں شمارا فرصت دادہ اند حمد خدا جل شانہ بجا آوردہ متوجہ کار خود باشند ویک لمحہ ولحظہ فراغت بر خود تجویز نکنند ویکے از سہ چیز باید کہ خالی ازان نباشند تلاوت قران مجید وادائے نماز بطول قرارت وتکرار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ باید کہ بکلمہ لا نفی الہہ ہوائے نفس خود نمایند ودفع مقاصد ومرادات خویش کنند مرخود طلبیدن دعوی الوہیت خود کردن ست باید کہ ہیچ مرادے را در ساخت سینہ گنجائش نبود ہیچ ہوسے در متخیلہ نماند تا حقیقت بندگی متحقق شود مرا د خود خواستین مستلزم دفع مراد مولائی خود ست ومعارضہ کردن ست بصاحب خود این معنی مستلزم نفی مولائی خود ست واثبات مولویت خود قبح این امر را نیک دریافتہ نفی دعوی الوہیت خود

نمایند تا زمانے کہ از ہواہا و ہوسہا تمام پاک نگردند و جز مراد مولیٰ
مرادے نداشتہ باشند این معنی بعنایۃ اللہ سبحانہٗ اُمید است کہ در ایام
بلاہا و در اوقات ابتلا بسہولت میسّر گردد و در غیر این ایام این ہواہا و ہوسہا
سدہائے سکندریہ است در گوشہا خزیدہ باین امر مشتغل باشند کہ فرصت
مغتنم است و دور زمان فتن اندک را بہ بسیار قبول می نمایند و در غیر زمان
فتن ریاضات و مجاہدات شاقہ در کار است خیر شرط است ملاقات واقع
شودیانہ نصیحت ہمیں است کہ مرادے و ہوسے نماند، والدۂ خود را نیز
باین معنی مطلع سازند و دلالت نمایند باقی احوال این نشأۃ چون گذرندہ
است چہ در معرض بیان آرد- برخورداران شفقت دار دیدہ بخواندن ترغیب
نمائید و اہل حقوق را تا توانید از بار اضی سازید و بدعائے سلامتی
ایمان ممد و معاون باشید مکرر و موکد نوشتہ می شود این وقت را
بامور لاطائل صرف نکنند و بغیر ذکر الٰہی جل شانہ باید کہ ہیچ چیز نہ
پردازند اگرچہ مطالعہ کتب و تکرار طلبہ بود وقت ذکر است ہواہائے
نفسانی را کہ آلہۂ باطلہ اند در تحت لا آرند تا تمام منتفی شوند و ہیچ مرادے
و مقصودے در سینہ نماند حتی کہ خلاصی من کہ بالفعل از اہم مقاصد شما
است نیز باید کہ مراد شما نباشد. و بتقدیر و فعل و ارادۂ او تعالیٰ راضی
باشند و در جانب اثبات کلمہ طیبہ غیر از غیب ہویت کہ ورائے
ورائے معلومات و متخیلات است ہیچ نباشد غم حویلی و سرا و چاہ و باغ
و کتب و اشیاء دیگر سہل است باید کہ ہیچ چیز مزاحم وقت شما نشود و غیر

از مرضیات حق جل و علا مراد و مرضی شما نباشد اگر ما مردیم این همه اشیا
میرفت گو در حیاتِ ما رفته باشد، ہیچ فکر نکنند۔ اولیا این امور را باختیار
خود گذاشته اند ما اختیار او تعالیٰ این امور را بگذاریم و شکر بجا آریم و
اُمید است که از مخلَصان باشیم بفتح لام جائیکه نشسته اند ہمان را وطن
انگارند حیات چند روزه ہر جا که گذرد باید که بیاد حق جل شانه گذرد
معامله دنیا سهل است متوجه آخرت باشند والدهٔ خود را تسلّی بدهند
و ترغیب آخرت نمایند مانند ملاقات یکدیگر اگر حق سبحانه و تعالیٰ خواسته
باشد میسّر خواهد شد والّا بتقدیر او تعالیٰ راضی باشند و دعا کنند
که در دار السّلام جمع گردیم و تلافی ملاقات دنیا را بکرم او تعالیٰ در
آخرت حواله نمائیم۔ الحمد للہ علیٰ کل حال۔

مکتوب ۹۳ دفتر سوم حصہ نہم ص۲۲ میں صاحبزادگان عالی شان کو لشکر شاہی سے
بحالت نظربندی لکھتے ہیں:۔

فرزندان گرامی بجمعیت باشند مردم ہمہ وقت محنتہائے ما را در نظر
می دارند و تخلصے ازین مضیق می طلبند۔ نمی دانند که در نامرادی و بے
اختیاری و ناکامی چه ملاحت و جمال است و کدام نعمت برابر آن است
که این کس را بے اختیار از اختیار او بر آرند و باختیار خود او را زندگانی
دهند و امور اختیاری او را نیز تابع آن بے اختیاری او ساخته او را
از دائرہ اختیار او بر آرند و کالمیت بین یدی الغسال سازند در ایام پیش
گاہے که مطالعه ناکامی و بے اختیاری خود می نمودم عجب حظ میگرفتم

و طرفہ ذوق می یافتم بے ارباب فراغت ذوق ارباب بلا را چہ دریابند
و از جمال بلائے او چہ درک نمایند، طفلاں را حظ منحصر در شیرینی است
و آنکہ از تلخی حظ فرا گرفتہ است شیرینی را بجوئے نمی خرد ع
مرغ آتش خوارہ کے لذت شناسد دانہ را

والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

یہ تو حضرت امام کے ظاہری حالات و کمالات کا ناتمام بیان تھا۔ اب آپ کے باطنی اور اصلی کمالات کے متعلق چند کلمات عرض کئے جاتے ہیں اگرچہ اس چیز کو ارباب بصر بھی کما حقہ بیان نہیں کر سکتے۔ چہ جائیکہ ایک بے بصر و بے بصیرت ؎

سراپا ظاہرش نور است و جان است ÷ مپرس از باطنش کان بے نشان است

حضرت کے کچھ باطنی کمالات بہت دیر تک قلم ہاتھ سے رکھ کر سوچتا رہا کہ اس عنوان کے تحت میں کیا لکھوں مگر سمجھ میں نہ آیا۔ اگر حضرت کے مکاشفات (کونیہ نہیں بلکہ مکاشفات الٰہیہ) بیان کئے جائیں یا آپ کے خوارق عادات یعنی کرامات کا ذکر کیا جائے تو گو ان چیزوں کی کمی نہیں مگر حضرت امام ان چیزوں

لہ مجموعہ کنز البرکات احوال امام ربانی ص۱۱ میں ہے آوازہ ارشاد ایشان بجہان و جہانیان رسید و گلبانگ ہدایت بلند بہ عالم و عالمیان گردید کوس قطبیت بنام ایشان زدند و نقارہ غوثیت باسم آن جناب نواختند انوار ولایت و برکات و ظہور کرامات و خرق عادات از ایشان آنقدر ظاہر گردید کہ از تحریر و تقریر بیرون است و کشف مقامات قرب الٰہی بآنجناب بمرتبہ رسید کہ از بیان و تبیان افزون است۔

پھر صفحہ ص۱۴۲ میں ہے:۔

خوارق و کرامات ایشان ہفت صد نوشتہ اند ۱۲

کو کمالات اصلیہ میں نہیں سمجھتے ۔ اگر آپ کے تصرفات اور کثرت ارشاد کو لکھا جائے تو بھی حضرت امام کے نزدیک وہ اصلی کمال سے بہت نیچے کی چیز ہے۔

مکتوب نمبر ۶ دفتر دوم حصہ ششم صلہ میں اپنے فرزند رشید اور خلیفہ راشد عروۃ الوثقی محی الدین خواجہ محمد معصوم کو لکھتے ہیں۔

انگاہم کہ مقصود از آفرینش من آن ست کہ ولایت محمدی بولایت ابراہیمی علیہما الصلوات و التحیات منصبغ گردد و حسن ملاحت این ولایت باجمال صباحت آن ولایت ممتزج شود ورد فی الحدیث اخی یوسف اصبح وانا املح باین انصباغ و امتزاج مقام محبوبیت محمدیہ بدرجہ علیا رسد ماناکہ مقصود از امر باتباع ملت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام محصول این دولت عظمیٰ بودہ است و طلب صلوات و برکات مماثل صلوات[1] و برکات حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام از برائے این غرض بودہ (پھر بفاصلہ چند سطور) وانچہ مقصود از آفرینش خود می دانستم معلوم شد کہ بحصول پیوست و مسئول ہزار سالہ باجابت قرین گشت الحمد للہ الذی جعلنی صلۃ[2] بین البحرین و مصلحاً بین الفئتین اکمل الحمد علی کل حال و الصلوۃ

---

[1] اشارہ ہے اس درود کی طرف جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اس درود میں دعا ہے کہ یا اللہ حضرت ابراہیم اور انکی اولاد پر جیسی صلوات و برکات نازل ہوئیں ویسی صلوات و برکات محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر نازل کر ۱۲

[2] علامہ سیوطی رح نے جمع الجوامع میں ایک پیشگوئی رسول اللہ علیہ وسلم کی نقل کی ہے کہ یکون فی امتی رجل یقال لہ صلۃ یدخل الجنۃ بشفاعتہ کذا و کذا خدا کی قدرت کہ یہی لفظ صلہ حضرت امام ربانی کے قلم سے اپنے لئے نکل گیا ۔ اس امت مرحومہ میں آپ سے پہلے یہ لفظ اپنے لئے کسی نے نہیں استعمال کیا ۔ ان فی ذلک لآیات ۱۲ ۔

والسلام علی خیر الانام وعلیٰ اخوانہ الکرام من الانبیاء والملائکۃ العظام

(پھر بفاصلہ چند سطور) اے فرزند باوجود این معاملہ کہ بخلقت من مربوط بود

است کارخانہ دیگر عظیم بمن حوالہ فرمودہ اند برائے پیری و مریدی مرا نیاوردہ

اند و مقصود از خلقت من تکمیل و ارشاد خلق نیست معاملہ دیگر است و کارخانہ

دیگر درین ضمن ہر کہ مناسبت دارد فیض خواہد گرفت والا معاملہ تکمیل

و ارشاد نسبت بآن کارخانہ امرے است ہمچوں مطروح فی الطریق۔

دعوات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نسبت بمعاملات باطنیہ ایشاں ہمیں

حکم دارد ہر چند منصب نبوت ختم یافتہ است اما از کمالات نبوت و خصائص

آن بطریق تبعیت و وراثت کمل تابعان انبیاء را نصیب است

ان حالات کے ہوتے ہوئے کس کی ہمت ہے کہ لب کشائی کی جرأت کرے

لہٰذا سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ حضرت امام ربانی کے مرشد کامل حضرت

خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ نے اور ان کے بعد دوسرے اکابر نے جو کچھ آپ کی شان

میں فرمایا ہے اُس کے نقل کر دینے پر قناعت کی جائے

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کتاب "کلمات طیبات"

مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی میں درج ہیں جس زمانہ میں حضرت امام ربانی اُن کی خدمت

میں داخل سلسلہ ہوئے اپنے ایک مخلص مرید کو لکھتے ہیں:۔

شیخ احمد نام مردے است از سرہند کثیر العلم قوی العمل روزے چند

با فقیر نشست و برخاست کردہ بسیار عجائب از روزگار و اوقات او

مشاہدہ نمود بآن ماند کہ چراغے شود کہ عالمہا ازاں روشن گردد الحمد للہ

احوال کاملہ او را بیقین پیوستہ و این شیخ مشار الیہ برادران و اقربا دارد ہمہ مردم صالح و از طبقہ علما اند چندے را دعاگو ملازمت کردہ از جواہر علمیہ دانستہ استعدادہائے عجیب دارند فرزند آن شیخ کہ اطفال اند اسرار الٰہی اند بالجملہ شجرۂ طیبہ اند انبتہا اللہ نباتاً حسناً و فقرائے باب اللہ اند۔

نیز حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے کہ:

شیخ احمد آفتابے ست کہ مثل ما ہزاراں ستارہا در سایۂ او گم اند مثل ایشان درین وقت زیر فلک نیست و مثل ایشان چند کس درین امت گذشتہ اند و ایشان دریں وقت از کمل محبوبان اند۔

مجددیہ (۱۳) حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے مکاتیب شریفہ مطبوعہ مدراس کے صفحہ ۸ میں ہے:۔

امام ربانی مجدد الف ثانی صاحب الطریقہ حضرت شیخ احمد فاروقی رضی اللہ عنہ طریقۂ چشتیہ از پدر بزرگوار خود گرفتہ اند و از ارواح طیبۂ این سلسلۂ علیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم فیضہا و اجازت و خلافت یافتہ و در خوردی بار منظور نظر عنایت حضرت شاہ کمال قادری قدس سرہ بودند و خرقۂ تبرک حضرت شاہ کمال از دست شاہ سکندر رحمۃ اللہ علیہما حضرت شاہ کمال بابا نبیرۂ ایشان را تاکیدات فرمودہ پوشیدند و از ارواح مقدسہ اکابر خاندان قادریہ در وح پرفتوح حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہ فیوض و برکات و اجازت و خلافت

فائز شدہ واجازت طریقہ کبرویہ از مولانا یعقوب صرفی کہ در خطہ کشمیر کمالات ایشان مشہور اند دارند امانسبت حضرات خواجگان نقشبندی قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کہ از خواجہ آفاق حضرت خواجہ باقی باللہ یافتہ اند برحضرت ایشان غالب است د ذکر و شغل و وضع و آداب ہمیں طریقہ معمول دارند پس بحریر چار شجرہ ضرور است برائے تبرک وتیمن تا موجب برکت متوسلان این سلسلہ وبا نجود اخذ و کسب فیوض ہر چہار خاندان عالی شان از جناب آلہی بمواہب جلیلہ وعطایائے نبیلہ سرفراز شدہ اند کہ عقل در ادراک آن کمالات وحالات حیران است حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ دربارۂ حضرت ایشان فرمودہ اند کہ ہم چو ایشان زیر فلک نیست و درین اُمت مثل ایشان چند کس معلوم می شود و سموت ومکتوبات ایشان ہمہ صحیح وقابل آنست کہ بنظر انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات درآید واز مکاتیب شریفہ حضرت خواجہ قدس اللہ سرہ العزیز کمال حضرت ایشان معلوم میشود ملا بدرالدین در حضرات القدس وحجۃ ہاشم کشمی در برکات احمدیہ ومحمد احسان در روضۃ القیومیہ و دیگر عزیزان مقامات وطاعات وعبادات حضرت ایشان مفصل بحریر نمودہ اند وحضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بعد تحریر مناقب حضرت ایشان نوشتہ اند لا یحبہ الا مومن تقی ولا یبغضہ الا منافق شقی

حضرت رح کی مجددیت

حضرت کا مجدد الف ہونا بھی ایک بڑی چیز ہے۔ آپ سے پہلے

صدی کے مجدّد[1] ہوا کرتے تھے۔ الف کا مجدد کوئی نہیں ہوا۔ الف ثانی کا آغاز ہی نہ ہوا تھا۔ اور الف اوّل میں خود ذات اقدس واطہر سیّد البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی موجود تھی۔ آپ سے پہلے جس قدر مجدّد صدیوں کے گذرے ہیں کوئی مجدّد دین کے تمام شعبوں کا مجدّد نہیں ہوا۔ بلکہ خاص خاص شعبوں کے مجدّد ہوتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایک وقت میں متعدد مجدّد[2] نظر آتے ہیں۔ کوئی علم حدیث کا کوئی فقہ کا۔ پھر اس میں بھی کوئی فقہ حنفی کا مجدّد ہے کوئی فقہ شافعی کا اور کوئی سلوک و احسان[3] کا۔ لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے لئے مخصوص کی تھی کہ آپ دین کے تمام شعبوں کے مجدّد ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ آپ سے پہلے کے

---

[1] چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد کسی کو نبوت ملنے والی نہیں۔ لہٰذا آپ کی شریعت کے قیامت تک محفوظ رہنے کے انتظامات بھی قدرت کاملہ کی طرف سے پیش از پیش کردیئے گئے۔ اور اُمت کو ان انتظامات سے بطور پیشگوئی آگاہ کرکے مطمئن کردیا گیا۔ بعض اہم انتظامات کی خبر قرآن مجید میں ہے۔ اور بعض کی احادیث صحیحہ میں۔ چنانچہ ہر صدی میں مجدد کا ہونا بھی انہیں انتظامات کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کا تذکرہ احادیث صحیحہ میں ہے۔ سنن ابی داؤد میں اس حدیث کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ ان اللّٰہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ اس حدیث کی شرح میں علمائے کرام نے مستقل تصانیف کی ہیں۔ ازانجملہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب الفوائد الجمۃ فیمن یبعثہ اللّٰہ لھذہ الامۃ قابل مطالعہ ہے ۱۲

[2] بعض علما اس بات کے قائل ہیں کہ ایک صدی میں ایک ہی مجدد ہونا چاہیے مگر یہ بات صحیح نہیں جیساکہ تاریخی واقعات کے تتبع اور مولانا شاہ ولی اللہ رح جیسے محققین کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے ۱۲

[3] آج کل جس چیز کو تصوف کہتے ہیں احادیث نبویہ میں اُس کو احسان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ۱۲

مجددین کو سید الانبیا صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت خاص خاص چیزوں میں حاصل تھی اور آپ کو تمام چیزوں میں نیابت عامہ تامہ حاصل ہے وشتان ما بینہما۔ آپ سے پہلے کے مجددین کی خدمات کا اثر صرف ایک صدی کے لئے ہوتا تھا اور آپ کی مجددیت ایک ہزار سال کے لئے ہے۔ آپ کے سوا دوسرے مجددین کی مجددیت نہ معلوم اُمت کے کتنے لوگوں کے علم میں نہ آئی اور نہ معلوم کتنوں کی مختلف فیہ رہی جو اختلاف کہ معاندانہ یا معاصرانہ ہو وہ تو قطعاً قابل لحاظ نہیں[1] مگر جو اختلاف کہ شرائط مجددیت کے پائے جانے یا نہ پائے جانے کی وجہ سے ہو وہ بیشک قابل لحاظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کی مجددیت کو ان چیزوں سے بھی محفوظ رکھا، آپ کی مجددیت کا تمام اُمت کو دنیا کے ہر گوشہ میں علم ہوا اور جو لوگ اس معاملہ میں اہل حل و عقد ہو سکتے ہیں، اُن سب نے آپ کی مجددیت کو تسلیم کر لیا، بلکہ جو لوگ بدعات کی محبت یا اپنے سرد بازاری کے خیال سے آپ سے دل میں عناد رکھتے تھے وہ بھی مجبور[2] ہوئے کہ زبان سے آپ کے مجدد ہونے کا اقرار کریں جس طرح

---

[1] مثلاً حضرت مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی اور اُن کے مرشد حضرت سید احمد بریلوی کی مجددیت کہ حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اس بنا پر اختلاف کیا کہ ان دونوں بزرگوں نے صدی کا آخر نہیں پایا اور مجدد کے لئے ضروری ہے کہ پہلی صدی کے آخر میں موجود ہو۔ حضرت ممدوحؒ تذکرۃ الرشد صلاع میں لکھتے ہیں ومن ھٰھنا صح ان ما اشتہر بین العوام بل الخواص کالاعلام ان مولانا اسمٰعیل الشہید الدہلوی ومرشدہ السید احمد البریلوی الذی کانت ولادتہ سنۃ احدی من المائۃ الثالثۃ عشر من مجددی المائۃ خال عن التحصیل لا یقولہ صاحب التحصیل ۱۲

[2] بعض منکرین کو غیب سے سزائیں بھی ملیں جیسا کہ سید برزنجی مدنی کے متعلق حضرت مولانا شاہ غلام علی صاحبؒ نے حالات حضرت شہیدؒ کے صـ۵۵ میں نقل فرمایا ہے کہ اُس نے ایک رسالہ حضرت امام ربانی کے رد میں لکھا تھا حضرت شیخ محمد فرخ نبیرہ حضرت امام ربانی کی بد دعا سے دریا میں ڈوب گیا۔ سید برزنجی مذکور کے رسالہ کا رد مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے لکھا ہے جسکا نام الکلام المنجی ہے جو مولوی وکیل احمد صاحب کے نام سے طبع ہوا ہے۔

مذہب شیعہ کی بنیاد قرآن مجید کی عداوت پر ہے، کوئی شیعہ ایسا نہیں ہو سکتا جس کے دل میں قرآن مجید سے دشمنی اور نفرت نہ ہو مگر قرآن مجید کا رعب یہ ہے کہ اپنے کو مسلمان کہنے کے بعد قرآن مجید سے دشمنی کا اظہار کرنے کی جرأت نہیں ہوتی بلکہ ضمیر کے خلاف زبان سے اقرار بغیر مفر نہیں قریب قریب بفضلہ تعالیٰ و انعامہ یہی حالت حضرت امام ربانی کی ہے۔

آپ کی مجددیت کے بیان میں ایک مستقل اور بینظیر کتاب تالیف ہو چکی ہے۔ جس کا نام **شواھد التجدید** ہے جس کا ایک قلمی نسخہ بھوپال کی خانقاہ عالیجاہ مجددیہ میں موجود ہے

مجدد کیلئے یہ کچھ ضروری نہیں کہ اس کو اپنے مجدد ہونے کا علم ہو مگر حضرت امام ربانی کو اپنے مجدد ہونے کا علم علی وجہ الکمال تھا۔

مکتوب ۲۴ دفتر دوم حصہ ششم ص۲۰ میں کچھ معارف خاصہ بیان فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:۔

این معارف از حیطہ ولایت خارج است ارباب ولایت در رنگ علماء ظواہر در ادراک آن عاجز اند و در درک آن قاصر، این علوم مقتبس از مشکوۃ انوار نبوت اند علی اربابہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ کہ بعد از تجدید الف ثانی بہ تبعیت و وراثت تازہ گشتہ اند و بطراوت ظہور یافتہ صاحب این علوم و معارف مجدد این الف است کما لا یخفی علی الناظرین فی علومہ و معارفہ التی تتعلق بالذات و الصفات و الافعال و تتلبس بالاحوال والمواجید التجلیات والظہورات فیعلمون ان ہولاء المعارف

وراء علوم العلماء و وراء معارف الاولیاء بل علوم ہٰولاء بالنسبۃ الیٰ
تلک العلوم قشر و تلک المعارف رب ذلک القشر واللہ سبحانہ الہادی
و بداننذ کہ بر سر ہر مائۃ مجددے گذشتہ است اما مجدد مائۃ دیگر است
و مجدد الف دیگر چنانچہ درمیان مائۃ و الف فرق است درمیان
مجددین اینہا نیز ہماں قدر فرق است بلکہ زیادہ ازاں و مجدد آن ست
کہ ہرچہ دران مدت از فیوض بامتان برسد بتوسط او برسد اگرچہ
اقطاب و اوتاد آن وقت بوند و بدلاو نجبار باشند ؎
خاص کند بندۂ مصلحت عام را

مجدد کی سب سے بڑی پہچان اس کے کارنامے ہیں، حمایت دین، اقامت سنت
اور ازالۂ بدعت میں اسکی خاص شان ہوتی ہے، غیر معمولی کوشش اس سے ظہور میں
آتی ہے اور اسکی کوشش کا غیر معمولی نتیجہ یعنی توقع سے بہت زائد نکلتا ہے۔
حضرت امام ربانی نے کیسی کیسی کوششیں مذکورہ بالا دینی خدمات کیلئے کیں اور کیسا
انہماک اور کیسا شغف آپ کو اس میں تھا مکتوبات قدسیہ کے دیکھنے سے اس کا
اندازہ ہوسکتا ہے پھر ان کوششوں پر کیسے غیر معمولی ثمرات توقعات سے بدرجہا
زائد مرتب ہوئے اس پر عالم اسلامی کی تاریخ ماضی وحال شاہد عادل ہے۔

حضرت کی وفات حسرت آیات

۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ ایکہزار چونتیس میں بعمر ۶۳ سال مطابق عمر شریف نبوی
(علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اپنے وطن مبارک سرہند میں آپ نے وفات پائی،
قبر شریف آپکی زیارت گاہ ہے

وفات سے چند ماہ پہلے آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنی عمر تریسٹھ برس کی معلوم ہوتی ہے، اتباع سنت میں جس کو اتنا شغف ہو بے اختیاری چیزوں میں منجانب اللہ سنت کی مطابقت اُس کو عطا ہوتی ہے۔

اپنی عمر کے آخری شعبان میں حسب معمول پندرہویں شب کو عبادت کیلئے خلوت خانہ میں تشریف لیگئے۔ صبح کو جب گھر میں تشریف لیگئے تو بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ معلوم نہیں آج کس کس کا نام دفتر ہستی سے کاٹا گیا۔ یہ سنکر حضرت امام رح نے فرمایا تم تو بطور شک کے کہہ رہی ہو۔ کیا حال ہوگا اُس شخص کا جس نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا ہو کہ اُس کا نام دفتر ہستی سے محو کیا گیا۔

اس کے بعد آپنے ارشاد و ہدایت کا سب کام صاحبزادوں کے سپرد کردیا اور اپنا تمام وقت قرآن مجید کی تلاوت اور اذکار و اشغال طریقت میں صرف فرمانے لگے۔ سوا نماز کے خلوت سے باہر تشریف نہ لاتے تھے۔ نفل روزوں اور صدقات و خیرات کی بھی اس زمانہ میں بہت کثرت فرمائی۔

وسط ذی الحجہ میں حضرت کو ضیق النفس کی بیماری لاحق ہوئی اور تپ محرقہ شروع ہوئی جو یوماً فیوماً ترقی کرتی چلی گئی۔ انہیں ایام میں ایک روز فرمایا کہ حضرت پیران پیر کو میں نے دیکھا بڑی مہربانی مجھ پر فرمائی۔

۱۲ محرم کو فرمایا کہ بس اب چالیس پچاس دن کے اندر اندر مجھکو اس عالم فانی سے سفر کرنا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بتاریخ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ ہجری تریسٹھ برس کی عمر میں آپ نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔ جس رات کی صبح کو آپ دنیا سے جانے والے تھے حسب معمول تہجد کی نماز کیلئے اُٹھے اور بڑے اطمینان سے وضو کرکے نماز

پڑھی اور خدام سے فرمایا کہ تم لوگوں نے تیمارداری کی بہت تکلیف اُٹھائی، اب آج یہ تکلیف ختم ہے۔ اخیر وقت میں ذکر اسم ذات کا بہت غلبہ تھا، ذکر کرتے کرتے روح مبارک رفیق اعلیٰ سے مل گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

نماز جنازہ حضرت کے فرزند ثانی حضرت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور اپنے بڑے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ کی قبر مبارک کے سامنے خاص شہر سرہند میں مدفون ہوئے، یہی وہ جگہ ہے جس کے متعلق آپ نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے۔ کہ میرے قلب کے انوار وہاں چمکتے ہیں۔

روضۂ مبارک کی تعریف میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی محدث دہلوی مہاجر مدنی نے چند اشعار نظم فرمائے ہیں جو تبرکاً درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

اے خاک پاک روضۂ عبیری و عنبری ۔۔۔ کاہل جہاں ز بوئے تو مدہوش گشتہ اند
ساقی فشاند بر تو خوش آبے کہ اہل دہر ۔۔۔ عاقل بہ پشت آمدہ مخمور رفتہ اند
سرے ز خاک خلد تو داری کہ اہل ارض ۔۔۔ یک نفحہ از تو یافتہ بر چرخ رفتہ اند
نے نے ترا ز تربت یثرب سرشتہ اند ۔۔۔ پنہاں ز روم و شام بہ سرہند ہشتہ اند
این خاک احمدی است بذات احد، مگر ۔۔۔ نے یک کہ صد ہزار ازین خاک جستہ اند
اہلاً و مرحبا پے زوّار تو بسے ۔۔۔ اقوال بعد بر رخ اعدات لستہ اند
یارب مکن خلاص ازین خاک در مرا ۔۔۔ بدحال آن کساں کہ ازین خاک رستہ اند
شیرے بخواب ناز بہ پہلوئے دو شبل ۔۔۔ یارب چہ رازہا است کہ اینجا نہفتہ اند

تنہا غنی نہ نغمۂ مدح تو ساز کرد
کرّو بیان عرش ہمیں گونہ گفتہ اندہا

حضرت کے باقیات صالحات

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ تو دنیا سے تشریف لیگئے، مگر باقیات صالحات کا ایک ایسا سلسلہ چھوڑ گئے جو انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک قایم رہنے والا ہے، اور جس قدر فیوض و برکات اس سلسلہ سے اُمت مرحومہ کو پہونچے اور پہونچ رہے ہیں سب کا ثواب آپ ہی کے اعمال نامہ میں ہے۔

باقیات صالحات کے سلسلہ میں صرف دو چیزوں کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے، اور وہ بھی بالاختصار۔ اوّل آپ کے ذرّیات طیّبات اور آپ کے خلفاء۔ دوم آپ کے مکتوبات قدسیہ، اِن دونوں چیزوں کے متعلق اگر مفصل حالات درج کئے جائیں تو ایک بڑا دفتر تیار ہو جائے۔

آپ کی ذرّیات طیّبات کا یہ حال ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ نے پہلی ہی نظر میں ان کو پہچان لیا تھا اور ان کو جواہر علویہ فرمایا تھا اور لکھا تھا کہ "استعدادہائے عجیب دارند"۔ "اسرار الٰہی اند"۔ "شجرۂ طیبہ اند"۔ "فقرا ربابُ اللہ اند" "ولہائے عجیب دارند"۔ حضرت خواجہ کے یہ ارشادات اوپر منقول ہو چکے ہیں۔

حق تعالےٰ نے آپ کے چار فرزندوں کو عمر عطا فرمائی اور یہ چاروں ولی کامل و مکمل تھے۔

فرزند اوّل حضرت خواجہ محمد صادق جو حضرت امام ربّانی کے سامنے ہی درجہ کمال پر پہونچکر وفات پا گئے۔ آپ کی وفات کا بڑا صدمہ حضرت کو ہوا۔ مکتوبات قدسیہ میں اس صدمہ کا اور آپ کے کمالات کا ذکر موجود ہے۔ آپکی

ولادت ۱۰۰۰ھ - وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ -

فرزند دوم حضرت خواجہ محمد سعید المعروف بخازن الرحمۃ - ولادت آپ کی ۱۰۰۵ھ - وفات ۲۷ جمادی الاخری ۱۰۷۰ھ

فرزند سوم حضرت خواجہ محمد معصوم ملقب بعروۃ الوثقی - طریقہ کی اشاعت آپ سے بہت زیادہ ہوئی - دہلی کی مشہور عالم خانقاہ جو مرجع عرب وعجم تھی آپ ہی کے سلسلہ کی ہے، ولادت باسعادت ۱۰۰۷ھ - وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ

فرزند چہارم حضرت خواجہ شاہ محمد یحیی - حضرت امام ربانی کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۹ سال تھی تحصیل علوم اور تکمیل طریقت اپنے بھائیوں سے کی وفات ۱۰۹۶ھ

خدا کی رحمت کہ ان صاحبزادوں کو جس قدر اولاد حق تعالیٰ نے عطا فرمائی وہ بھی سب اولیاء اللہ - اور اب اسوقت ہندوستان کے اکثر مقامات میں اور حرمین شریفین میں آپ کی ذریت طیبہ کا سلسلہ موجود ہے - اور بفضلہ تعالیٰ ان میں صاحبان نسبت بھی ہیں -

حضرت مجددؒ صاحبؒ اور عالم اسلامی

اب رہا سلسلہ آپ کے خلفا کا تو حقیقت حال یہ ہے کہ جو حضرات بلاواسطہ آپ کے خلفا ہیں اُن کا صحیح شمار نہیں ہو سکا - چہ جائیکہ بلاواسطہ خلفا بھی ان میں شامل کر لئے جائیں بلاشبہ دنیا کے جس جس گوشہ میں مسلمان آباد تھے - آپ کا سلسلہ بھی وہاں پہونچا اور پھلا اور پھولا -

دہلی کے عروج کے آخری دور میں آپ کے سلسلہ کے ایک عظیم الشان خلیفہ مجدد مائۃ ثالث عشر حضرت مولانا شیخ عبداللہ المشتہر بہ شاہ غلام علی اعلے منیعہ کے نام سے

دہلی کی خانقاہ مجددیہ آباد ہے۔ آپ کے اور حضرت امام ربانی کے درمیان میں چار واسطے ہیں۔ آپ کی ذات بابرکات سے تو اسقدر فیض ہوا کہ بقول حضرت مولانا شاہ عبد الغنی محدث دہلوی شاید اگلے مشائخ میں کسی سے اسقدر فیض ہوا ہو۔ ہندوستان میں شاید ہی کوئی شہر ہو جہاں آپ کا کوئی خلیفہ نہو۔ صرف ایک شہر انبالہ میں پچاس خلفا آپ کے تھے۔ آپ ہی کے ایک خلیفہ حضرت مولانا خالد کُردی تھے جن کے مناقب میں علامہ شامیؒ نے جن کی شرح درمختار پر آج مفتیان مذہب حنفی کے فتووں کی بنیاد ہے ایک مستقل رسالہ تالیف فرمایا جس کا نام سل الحسام الهندی لنصرة مولانا خالد النقشبندی ہے یہ رسالہ مصر میں چھپ گیا ہے۔ علامہ شامیؒ نے رسالہ مذکورہ میں حضرت مولانا خالد کے علمی و عملی کمالات خوب تفصیل سے بیان فرمائے اور ۱۲۲۴ھ میں ان کا براہ ایران پورے ایک سال کے سفر کے بعد دہلی پہونچنا۔ اور حضرت شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونا اور اُن کے دریائے فیض سے سیراب ہو کر اور قطب ارشاد بنکر اپنے وطن واپس ہونا اور وہاں مرجع عوام و خواص ہونا مفصل ذکر کیا ہے چند سطور ملاحظ ہوں:۔

وليلة دخوله بلدة جهان آباد دهلى انشأ قصيدته العربية الطنانة من بحر الكامل يذكر فيها وقائع السفر و تخلص الى مدح شيخه مطلعها ؎

كملت مسافة كعبة الأمال ؛ حمداً لمن قد من بالاكمال

وهي طويلة وله غيرها من المقاطيع العربية و في الفارسية

قصائد[1] ومقاطیع کثیرۃ انسیۃ منها قصیدۃ غراء فی مدح شیخه قدس سرہ ایضا وبعد وصوله تجرد ثانیا عما عندہ من حوائج السفر وانفقه کله علی المستحقین ممن حضر فأخذ الطریقة العلیة النقشبندیة بعمومها وخصوصها ومفهومها ومنصوصها علی شیخ مشائخ الدیار الهندیة وارث المعارف والاسرار المجددیة سیاح بحار التوحید سیاح قفار التجرید قطب الطرائق غوث الخلائق معدن الحقائق منبع الحکم والاحسان والایقان والدقائق العالم النحریر الفاضل والعلم المفرد الکامل المتجرد عما سوی مولاہ حضرۃ الشیخ عبد اللہ الدهلوی۔ پھر خاتمہ میں لکھتے ہیں ومن اراد الزیادۃ علی ذلک من

---

[1] حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب محدث دہلوی نے ایک فارسی قصیدہ السٹھ شعر کا نقل کیا ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

خبر از من دہید آں شاہ خوباں را بہ پنہانی
کہ عالم زندہ شد بار دگر از ابر نیسانی

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں ؎

امام اولیا سیاح بیدائے خدا بینی
ندیم کبریا سباح دریائے خدا دانی

مہیں رہنمایاں شمع جمع اولیاء دیں
دلیل پیشوایاں قبلۂ اعیان روحانی

چراغ آفرینش مہر برج دانش و بینش
کلید گنج حکمت محرم اسرار سبحانی

امین قدس عبد اللہ شہ کز التفات او
دہد سنگ سیہ خاصیت لعل بدخشانی

اور مقطع یہ ہے ؎

ز جام فیض خود کن خالد درماندہ را سیراب
کہ او لب تشنۂ مستسقی و تو دریائے احسانی

اوصاف هذا الامام فليرجع الى الكتاب الذى الفه فيه الامام الهمام خاتمة البلغاء ونادرة النبغاء الاوحد لسند الشيخ عثمان السند الذى سماه اصفى الموارد فى ترجمة حضرة سيدنا خالد فانه كتاب لم يحك بنان البيان على منواله ولم تنظر عين الى مثاله۔

علامہ شامی اسی رسالہ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بڑا انعام اہل شام کو دیا کہ اس امام ہمام کا محل و مقام ملک شام کو قرار دیا اور عوام و خواص علما و فضلا اور امرا و حکام و ارکان سلطنت کا مرجع و ملجا آپ کی چوکھٹ کو بنایا حتی کہ سنہ ۱۲۴۲ھ میں سخت طاعون واقع ہوا جس میں آپ کے دو جوان فرزند راہی ملک بقا ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں کہ میں بغرض تعزیت حاضر خدمت ہوا تو میں نے اُن کو خوش اور مسکراتا ہوا پایا۔ اور مجھ سے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میرے قلب میں حمد اور رضا بہ نسبت استرجاع کے زیادہ ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ دو دن ہوئے کہ میں نے ایک خواب میں دیکھا کہ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور میں اُن کے جنازہ کی نماز میں شریک ہوں یہ خواب سنکر فرمایا کہ میں حضرت عثمان کی اولاد میں ہوں گویا اس خواب کی تعبیر انہوں نے اپنے متعلق لی۔ چنانچہ اُس دن بعد نماز عشا اُنہوں نے اپنے مریدوں کو کچھ نصیحتیں کیں اور اپنا جانشین مقرر کیا۔ پھر گھر میں تشریف لیگئے، اسی شب کو طاعون میں مبتلا ہو کر شہادت پائی۔

حضرت مولانا شاہ عبد الغنی محدث دہلوی مہاجر مدنی اپنے رسالہ تذکرۂ حضرت شاہ غلام علی صاحب میں آن کے خلفا کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

حضرت مولانا خالد شہر زوری کردی رحمۃ اللہ علیہ عالم نامدار بودند در
ہر فن استعداد عجیب داشتند بنجاہ کتاب حدیث سند داشتند در علمائے ہندستان فی الجملہ مدح حضرت
شاہ عبدالعزیز[1] می نمودند اشعار عربی وفارسی شان در سلاسۃ نظم گوئے
سبقت از فردوسی وفرزدق بردہ بود حضرت ایشان اشعار ایشان
بعارف جامی مناسبت می فرمودند قصائد عربی وفارسی کہ در مدح حضرت
ایشان نظم نمودند کم از منظومات خسرو وجامی کہ در مدح سلطان المشائخ
وخواجہ احرار نظم کردہ اند نتوان گفت (پھر بفاصلہ چند سطور) حضرت
بوقت رخصت بشارت قطبیت آن دیار عنایت فرمودہ بودند وقتیکہ
آنجا رفتند ریاضتہائے بسیار کشیدند ہجوم خلق چندان شد کہ گویا
سلطنت آن دیار بایشان تعلق یافت خلفائے ایشان و خلفائے
خلفائے ایشان ہزارہا کس شدہ باشند (پھر حضرت مولانا خالد صاحب
کا ایک خط اپنے والد ماجد حضرت شاہ ابو سعید صاحب کے نام نقل
فرمایا ہے وہو ہٰذا) مرکز دائرہ غربت ومہجوری خالد کردی شہر زوری

---

[1] جس زمانہ میں حضرت مولانا خالد دہلی تشریف لائے یہ وہی زمانہ ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ دہلی میں رونق افروز تھے۔ مولانا خالد کی علمی شہرت سنکر خانقاہ میں تشریف لائے مگر مولانا خالد سوا اوقات نماز کے اور حلقہ توجہ کے اپنے حجرہ کے اندر دروازہ بند کر کے بیٹھا کرتے تھے حضرت شاہ ابو سعیدؒ نے جا کر اطلاع کی کہ دہلی کے بہت بڑے عالم آپ سے ملنے آئے ہیں۔ مولانا خالد نے فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب جس کام کے لئے میں آیا ہوں جب تک اُس سے فراغت نہ ہو میں کسی سے نہیں مل سکتا۔ بعد فراغت انشاء اللہ میں خود اُن کی زیارت کروں گا۔ ۱۲۔

بعرض مقدس عالی مخدومی جناب ابو سعید مجددی المعصومی میرساند۔
اگرچہ بہ یمن ہمت حضرت قبلہ عالم روحی فداہ فیوض خاندان عالیہ آبا و اجداد
کرام آن مخدوم عالی مقام کہ باین مقصر گمنام رسیدہ است بیرون از حیز تحریر
و خارج از حوصلہ تقریر است اما بفحوائے مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ بمقام
شکرگذاری برآمدہ عرض حضوری نماید کہ یکقلم تمامی مملکت روم و ترکستان
و دیار حجاز و عراق و بعضے از ممالک قلم و عجم و جمیع کردستان از جذبات
و تاثیرات طریقہ علیا سرشار و ذکر محامد حضرت امام ربانی مجدد و منور الف
ثانی قدسنا اللہ بسرہ السامی آناء اللیل و النہار در محافل و مجالس و
مساجد و مدارس زبان زد صغار و کبار است بنحوے کہ در ہیچ قرنے از
قرون و در ہیچ اقلیمے از اقالیم مظنہ نیست کہ گوش زمانہ نظیر این زمزمہ
شنیدہ یا دیدہ فلک دوار این رغبت و اجتماع را دیدہ باشد۔ از انجا
کہ شدت رغبت حضرت صاحب قبلہ و آن قبلہ معلوم خاطر حزین این مہجور
و مسکین بود بمقام گستاخی برآمدہ فرح افزائے خاطر آن جناب و سائر
احباب شد۔ ہر چند اظہار این گونہ امور صورت گستاخی و خود بینی دارد
این فقرا شرمندہ می دارند۔ اما رعایت جانب دوستان را مقدم
داشتہ بمقام بے ادبی آمدہ دگرنہ نوشتن این امور ازین نالائق محض
دور بود و ارجو اینکہ مشافہۃً یا مراسلۃً چنانچہ مقتضائے شیمہ کریمہ است
از ذکر جمیل این مسکین ذلیل در حضور حضرت بافرد سعادت حضرت
صاحب قبلہ کونین کوتاہی نفرمایند و بای تقریب کان ہمارا دران آستان

کہ موقف بختیاراں وراستان ست یاد نمایند وخود نیز گاہ گاہے
بہ ہمہ نگاہے زنگ قساوت را از دل طالب نوایان دور نمایند دگر چہ
نویسد، در پناہ مہیمن منعام در ضمن ہمت پیران کرام باشند بلبنہ انتہی
یہ تو آپ کے ذریت اور آپ کے خلفا کا حال تھا۔ اب آپ کے مکتوبات
قدسیہ کے متعلق کیا لکھا جائے جس نے مطالعہ کیاہے وہ جانتا ہے کہ کس قدر خدمت
دین پاک کی گئی ہے۔ اور ان مکتوبات قدسیہ کا مطالعہ مسلمانوں کے لئے کس قدر
ضروری ہے۔
یہ آپ کی کھلی ہوئی کرامت ہے کہ ہر وقت کے مناسب ہدایات ان مکتوبات
سے حاصل ہوتی ہیں۔ آج کل بدعت کا رواج زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ بدعت
کی دو قسمیں بیان کیجاتی ہیں ایک بدعت حسنہ، دوسری بدعت سیئہ۔ مکتوبات
قدسیہ میں متعدد مکتوب اس کے متعلق ہیں جنمیں آپنے بڑی تحقیق سے اس کو
بیان فرمایا ہے کہ بدعت ہرگز حسنہ نہیں ہو سکتی ہے۔
روافض کا آپ کے زمانہ میں کچھ زور ہورہا تھا۔ لہذا متعدد مکتوبات ردّ
روافض میں موجود ہیں۔ ابھی چند روز ہوئے یہ بحث نکلی کہ حضرت علی مرتضیٰ
کو حضرت ابوبکر صدیق سے افضل کہنے والا بھی سُنّی ہو سکتا ہے یا نہیں۔
اس کے متعلق بھی آپ کا فیصلہ موجود ہے۔ دفتر اوّل حصہ سوم ص۹۴ مکتوب ۲۰۹
میں فرماتے ہیں:۔
"کسی کہ حضرت امیر را افضل از حضرت صدیق گوید از جرگہ اہل سنت
می برآید"

ایک زمانہ میں نماز تہجد کی جماعت کا جھگڑا نکلا اس کے متعلق بھی آپ کے مکتوبات میں ہدایت موجود ملی۔ دفتر اول حصہ سوم ص۳۵ مکتوب ۲۶۶ میں اپنے پیر کے پیرزادوں کو لکھتے ہیں کہ:۔

نماز تہجد را بہ جمعیت تمام ادامی نمایند واین بدعت را در رنگ سنت تراویح در مساجد رواج ورونق می بخشند واین عمل را نیک می دانند ومردم را بران ترغیب می کنند۔

کچھ دن ہوئے سجدہ تعظیمی کا غیر اللہ کیلئے جواز بڑے شد ومد سے شروع ہوا، اس کا فیصلہ بھی آپ کے مکتوبات میں ہے۔ کہ سجدہ غیر اللہ کے لئے ہرگز جائز نہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالےٰ نے مسجود الیہ فرشتوں کا بنایا تھا نہ مسجود لہٗ۔

جاہل صوفی کہا کرتے ہیں کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور چیز ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ شریعت پوست ہے اور طریقت مغز ہے، اس کا رد بھی کما ینبغی آپ کے مکتوبات میں موجود ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عجیب کمال مکتوبات قدسیہ میں ہے کہ ہر ضرورت اور ہر ظلمت میں اُن کی روشنی مشعل راہ بنتی ہے اور حقائق ومعارف الٰہیہ کے لئے تو ان کا بے نظیر ہونا گویا مسلم الکل ہے آپ کے مکتوبات قدسیہ کی طرف تمام دنیا کے مسلمان متوجہ ہوئے اور علمائے دین نے خوب خوب خدمتیں انجام دیں۔ چنانچہ علامہ محمد مراد مکی نے تمام مکتوبات کا ترجمہ عربی زبان میں کیا ہے جو دمشق میں طبع ہوا اور ایک عالم نے مکتوبات شریفہ کی روایات کی تخریج کی جس کا نام تشئید المبانی ہے۔

ارادہ تھا کہ اس موقعہ پر چند مکتوبات شریفہ کے اقتباسات درج کئے

جائیں اور انہیں کو خاتمہ کلام بنایا جائے مگر مضمون طویل ہو گیا اس لئے قلم کو روک لیا گیا ؎ عمر بگذشت و حدیث دردِ ما آخر نشد

شب بآخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

ھذا آخر الکلام فی ہذا المقام و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

خاتمہ کتاب

"علماء ہند کا شاندار ماضی" کا یہ پہلا حصہ تھا جو بفضلہ تعالیٰ ختم ہوا۔ دوسرا حصہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے حالات سے شروع ہوگا جو عہد عالمگیری کے ایک بزرگ تھے۔ سلطان عالمگیرؒ عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس اللہ سرہ العزیز سے بیعت تھے۔ اور سیدنا حضرت شاہ عبدالرحیم قدس اللہ سرہ العزیز حضرت شیخ آدم بنوریؒ کے خلیفہ حضرت سید عبداللہ لستوی قدس اللہ سرہ العزیز سے بیعت تھے۔ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خاتمہ کتاب میں ان دونوں بزرگوں کے بھی کچھ حالات لکھدیئے جائیں۔ تاکہ یہ سلسلہ منقطع نہ ہو

عروۃ الوثقیٰ سیدنا حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب قدس اللہ سرہ العزیز

آپ حضرت امام ربانی کے فرزند ثالث ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۱ر شوال ۱۰۰۷ھ میں ہوئی۔ اسی سال حضرتؒ کو حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کی خدمت میں پہنچنے کا شرف حاصل ہوا۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ محمد معصوم کی ولادت

ہمارے لئے بہت مبارک ثابت ہوئی۔ کہ اسکی ولادت کے چند مہینے بعد حضرت خواجہؒ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا اور وہاں جو کچھ دیکھا وہ دیکھا۔ حضرتؒ نے ایک مقام پر آپ کو "محمدی المشرب" تحریر فرمایا ہے۔ اور ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:۔

از فرزندے محمد معصوم چہ نویسد کہ وے بالذات قابل این دولت است یعنی ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ۔

اپنے فرزند محمد معصوم کے متعلق کیا لکھوں وہ تو بالذات اس دولت یعنی ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیہ کی استعداد رکھتے ہیں۔

استعداد کی بلندی بچپن ہی سے آشکارا ہو چلی تھی۔ خود حضرت رح نے بچپن میں ان کی اس استعداد کا ذکر فرماکر ارشاد فرمایا کہ اس راستہ میں فیضان الٰہی کے لحاظ سے بوڑھے، جوان، عورتیں اور بچے ساوی ہیں۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

اسی استعداد کی وجہ سے حضرت کی نظرِ عنایت خاص طور پر اُن کی شاملِ حال رہتی تھی اور آپ ظہور کمالات کے منتظر تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ چونکہ علم سبدر حال ہے اس لئے اس کے حاصل کئے بغیر چارہ نہیں۔ اسی وجہ سے علم معقول و منقول کو حاصل کرنے کی تاکید اور کتب دقیقہ علمیہ کا صفحہ صفحہ اور ورق ورق پڑھنے کا حکم فرماکر ارشاد فرمایا کرتے تھے:۔

بابا! زود از تحصیل این علوم فارغ شوید کہ مارا با شما کارہائے عظیم است

بیٹا! ان علوم کی تحصیل سے جلد فارغ ہو جاؤ ہمکو تم سے بڑے بڑے کام لینے ہیں

چنانچہ توجہ مبارک کے اثر سے آپ بھی اپنے بڑے بھائیوں کی طرح ۱۲ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے۔ اگرچہ تعلیم کے زمانے میں بھی باطن کیطرف توجہ رکھتے تھے لیکن فراغت تعلیم کے بعد ہمہ تن ادھر ہی متوجہ ہو گئے، ایک دفعہ حضرت نے آپ کو ایک خواب کی تعبیر کے سلسلے میں یہ بشارت دی

تو قطب وقت می شوی واین سخن را از من یاد دار
تم اپنے وقت کے قطب ہو گے اور یہ میری بات یاد رکھو۔

صاحب زبدۃ المقامات فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضرت رح کو زبان مبارک سے یہ فرماتے سُنا ہے:۔

اقتباس محمد معصوم نسبتہائے ما دا یوماً فیوماً بصاحب شرح وقایہ می ماند در حفظ تعلیم وقایہ از جد بزرگوارش
محمد معصوم کا ہماری نسبتوں کو یوماً فیوماً اقتباس کرنا ایسا ہے جیسا کہ صاحب وقایہ کا اپنے دادا سے تعلیم وقایہ کا حفظ کرنا (جیسا کہ کتاب مذکور کے دیباچہ سے واضح ہوتا ہے)

آپ کو اپنے پدر بزرگوار کے اسرار و معارف سے بہت زیادہ آگاہی حاصل تھی۔ آپ کے ان مکاتیب کے مطالعہ سے جو آپ نے وقتاً فوقتاً حضرت کیخدمت میں ارسال کئے ہیں آپ کے کمالات کا کچھ اندازہ ہوتا ہے

۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو آپ نے وصال فرمایا۔ مزار مبارک سرہند ہی میں ہے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رح کا سلسلہ دو واسطوں سے آپ تک پہونچتا ہے اور آج کرۂ ارضی پر بسنے والے لاکھوں نفوس نقط آپ کے واسطے سے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے فیض باطنی حاصل کر رہے ہیں۔ دیگر خلفا کے مستفیضین کا

کا تو شمار ہی کون کر سکتا ہے۔

حضرت خواجہ سیّد آدمؒ بنّوری حسینیؒ[1]

آپ کا اصلی وطن قصبہ سودہ تھا۔ مگر سکونت بنور میں اختیار کر لی تھی۔ ابتدائی تعلیم سلوک حاجی خضرؒ سے پائی بعد ازاں باجازت حاجی صاحب حضرت امام ربانی کی خدمت میں آ گئے اور درجات عالیہ پر فائز ہوئے، آپ محض اُمّی تھے، فیض روح القدس کی مدد سے قرآن شریف حفظ کیا اور علوم ظاہریہ کی تعلیم بھی حاصل کی۔ اتباعِ سنّت و دفع بدعت آپ کا خاص شیوہ تھا۔ ہزاروں طالبانِ خدا کو خدا رسیدہ کیا، آپ کی خانقاہ میں ہزار سے زائد طلبائے معرفت روزانہ جمع رہتے تھے اور اُن کو لنگر سے کھانا تقسیم کیا جاتا تھا، آپ کے خلفا[2] کی تعداد ایک سو اور مریدین کی تعداد ایک لاکھ بتلائی جاتی ہے، حج کے لئے مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے، وہاں سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہونچے۔ اور ۱۳ / شوال ۱۰۵۳ھ کو اسی مقدس سرزمین میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک جنت البقیع میں حضرت عثمان ذوالنورین کے مزار پاک کے قریب ہے۔

---

[1] ان کا تذکرہ تذکرۃ العابدین ص۲۴۷ سے ماخوذ ہے۔ [2] آپ کے خلیفہ اعظم حافظ سید عبداللہ اکبرآبادی تھے جن کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم فاروقی اور انکے بعد انکے خلیفہ اُن کے صاحبزادے مجدد وقت حضرت شاہ ولی اللہ فاروقی محدّث دہلوی ہوئے جن کے ظاہری و باطنی فیوض نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلامی پر محیط ہیں۔ اور اس واسطے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے جو فیوض آج عالم میں نظر آ رہے ہیں وہ بالواسطہ حضرت مجدّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کے ہیں ؎

یک چراغیست دریں بزم کہ از پرتو آن
ہر کجا مے نگری انجمنے ساختہ اند،

خاتمہ کتاب پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ مجدد کی مزید تحقیق کر دی جائے اس سلسلہ میں اگرچہ احقر نے بھی کچھ لکھا تھا جو دیوبند کے ہفتہ وار اخبار "استقلال" میں شایع ہوا تھا۔ لیکن اس موقع حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تحریر احقر کے مضمون سے زیادہ بہتر اور زیادہ جامع ہے جو حضرت موصوف کے شکریہ کیساتھ "مجدد نمبر" سے ہم بجنسہ نقل کئے دیتے ہیں اور مرتب مجدد نمبر جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مالک و مدیر رسالہ "الفرقان" کا مکرر شکریہ ادا کرتے ہیں۔

فجزاہما اللہ خیر الجزاء عنا و عن سائر المسلمین۔

مجدد الف ثانی رح

حضرت مجدد صاحبؒ کی تاریخی حیثیت سے کتنی ہی طویل و عریض سوانح لکھ لیجائے لیکن ساری سوانح حیات کی وہ روح جس سے اُن کی ذات گرامی دنیا میں آفتاب بن کر چمکی اور آج بھی اپنے اندر وہی جذب مقناطیسی کا اثر رکھتی ہے صرف ایک ہی صفت جمیلہ ہے جو ان کے اس لقب مجدد سے نمایاں ہے۔ کسی ذات کا مجدد مان لینا اُس کے غیر معمولی کمالات علمیہ و عملیہ کا اقرار کر لینا ہے، کیونکہ تجدید دین کا منصب اصلی تو انبیاء علیہم السلام کا ہے اور پھر اس میدان کے مرد وہ ہیں جو نبوت کے ترکہ کے وارث بن کر اُس سے کوئی غیر معمولی حصہ پائیں پس جس طرح ذات کو نبی مان لینے سے اُس کے لئے تمام بشری کمالات کا اقرار خود بخود لازم ہو جاتا ہے، اسی طرح کسی کو مجدد تسلیم کر لئے جانے سے اُس میں وراثت نبوت کے غیر معمولی حظوظ کا اعتراف بھی خود بخود ہی لازم ہو جاتا ہے۔

منصب نبوت سے عہدہ مجددیت کی اس نسبت ہی کا یہ اثر ہے کہ جس طرح

انبیاء علیہم السلام کو یہ منصب جلیل کسی اپنی شخصی جد و جہد یا کسی اجتماعی اور جماعتی تجویز سے نہیں ملتا۔ اسی طرح مجددوں کو بھی عہدۂ تجدید نہ اُن کی اپنی ذاتی جانفشانی و محنت سے ہاتھ لگتا ہے نہ کسی جماعت کے سمجھوتہ سے۔ بلکہ یہ محض من اللہ ایک موہبۂ عظمیٰ ہوتی ہے۔ جس کے لئے غیبی انتخاب سے افراد چُن لئے جاتے ہیں اور مخلوق کے دلوں میں اُن کی مقبولیت خود بخود قایم کردیجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم نے انبیاء کرام کے لئے بعثت من اللہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جیسے هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ، یا جیسے حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا یا جیسے بَعَثْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا وغیرہ۔

ٹھیک اسی طرح حدیث نبوی نے مجددوں کے لئے بھی یہی بعثت من اللہ کا کلمہ اختیار کیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (مشکوۃ)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے آغاز پر اس اُمت میں ایسے لوگوں کو مبعوث کرتا ہے جو اُمت کیلئے دین کی تجدید کریں۔

اور جیسے قرآن نے نبی کا انتخاب من اللہ بتایا ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ، ایسی ہی اس حدیث میں مجدد کی نسبت بھی ان اللہ یبعث فرمایا گیا ہے۔ جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ ان دونوں منصبوں کا انتخاب من جانب اللہ ہی ہوتا ہے

فرق اگر ہے تو یہ کہ نبوت اصل ہے اور تجدید اُس کا ظل ہے وہاں الہام قطعی ہے جس کو وحی کہتے ہیں۔ یہاں ظنی ہے، اُس کا منکر خارج از اسلام ہے

اس کا منکر خارج از صلاح وتقویٰ ہے۔ بہر صورت مجددیت نبوت کا ایک نہایت ہی روشن اور درخشاں پر تو ہے۔ اس لئے مجدد علم وعمل کے لحاظ سے نبی کا سایہ اور اخلاق وملکات کے لحاظ سے نبی کا نمونہ ہوتا ہے۔ پس مجدد کہہ لینے کے بعد کسی اور منقبت کا درجہ ہی باقی نہیں رہتا۔ کہ اس کے ذریعہ مجدد کی تعریف کی جائے اور اگر کی جائے گی تو وہ اسی وصف تجدید کی ایک تفصیل ہوگی۔ جس کا متن لفظ مجدد ہوگا۔ پس اگر حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسلمہ مجدد ہیں اور ضرور ہیں تو ان کی ہمہ منقبت یہی ہے کہ وہ مجدد ہیں اور "الف ثانی کے مجدد" ہیں۔ ہم الف ثانی کی تجدیدی خصوصیات کا سراغ لگانے کے لئے یہ نکتہ بطور معیار ضرور پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ چونکہ منصب تجدید منصب نبوت کا پورا پورا ظل اور اس کے قد وقامت کا سایۂ اصلی ہے۔ اس لئے شیون تجدید بھی بہت کچھ شئون نبوت سے ملتی جلتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام باوجود جامع کمالات ہونے کے کمال غالب وہی لیکر آتے ہیں جس کی اس دور کو ضرورت ہوتی ہے۔ ان کے تمام اصلاحی پروگرام میں غلبہ اور زور اسی اصلاحی نقطہ کا زیادہ ہوتا ہے جو اس زمانہ کے مخصوص مفاسد کے مٹانے میں مؤثر ہو۔

قوم عاد تمدن کی گہرائیوں میں پھنس کر اونچی اونچی بلڈنگیں اور عظیم الشان سنگین عمارتیں تیار کرنے میں ہمہ تن لگ کر دین اور دیانت کو خیرباد کہہ چکی تھی۔ اس لئے حضرت ہود علیہ السلام نے بھی تقویٰ وغیرہ کے عام اصلاحی خطاب کے ساتھ خصوصیت سے جو خطاب کیا ہے وہ وہی تھا جو اس تمدنی غلو وافراط کے استیصال کیلئے تھا چنانچہ فرمایا

اتبنون بکل ریع آیۃ تعبثون وتتخذون کیا تم ہر اونچے مکان پر ایک یادگار کے طور

مصانع لعلکم تخلدون واذا بطشتم پر بے ضرورت عمارت بناتے ہو اور بڑے بڑے

بطشتم جبارین محل تیار کرتے ہو جیسے تمکو دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے،

اور جب کسی پر دار و گیر کرتے ہو تو بالکل ظالم اور جابر بن کر دار و گیر کرتے ہو۔

قوم ثمود نے اپنے اوقات' دنیا کی سرسبزیوں، چمن بندی کے نظر فریب

مناظر اور پہاڑی بلڈنگوں کی دلکش سینریاں مہیا کرنے میں صرف کر رکھے تھے۔

جس سے وہ خدا و رسول کے قانون سے بیگانہ محض بن گئے تھے، اسی لئے

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے پروگرام میں خاص حصہ انہی امور پر نکتہ چینی

کرنے اور انہیں کی اصلاح کا رکھا۔ فرمایا:۔

اتترکون فیما ھھنا امنین فی کیا تم کو اسی دنیا کی چیزوں میں بے فکری سے

جنات وعیون وزروع ونخل رہنے دیا جائیگا یعنی باغوں اور چشموں میں

طلعھا ھضیم وتنحتون من الجبال اور کھیتوں اور ان کھجوروں میں جن کے

بیوتا فارھین۔ گچھے خوب گندھے ہوئے ہیں اور کیا تم

پہاڑوں کو تراش کر اتراتے ہوئے مکان بناتے رہو گے۔

قوم لوط میں لواطت اور اغلام کے جراثیم پھیلے ہوئے تھے تو انہوں نے

عام اصلاح کے ساتھ خصوصی اصلاح اس مرض کی فرمائی اور اسی پر قوم کو زیادہ

لتاڑا۔ فرمایا:۔

اتاتون الذکران من العلمین کیا تمام دنیا جہان والوں میں سے تم یہ حرکت کرتے

وتذرون ما خلق لکم ربکم من ہو کہ مردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور تمہارے

اذ و احکم بل انتم قوم عادون — پروردگار نے تمہارے لئے جو بیویاں پیدا کی ہیں انکو نظرانداز کئے رہتے ہو اصل یہ ہے کہ تم حد انسانیت سے نکل جانے والے ہو

اصحاب الایکہ ناپ تول کی خیانت میں مبتلا تھے۔ تو حضرت شعیب علیہ السلام نے اسکی اصلاح کو اپنا غالب پروگرام قرار دیا۔ اور خصوصیت سے فرمایا

ولا تنقصوا المکیال والمیزان — اور تم ناپ تول میں کمی مت کردیں
انی ارٰکم بخیر و انی اخاف — تو تمکو فراغت کی حالت میں دیکھ رہا ہوں
علیکم عذاب یوم محیط ٥ — اور مجھکو تمپر ایسے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے جو مصائب کا جامع ہوگا۔

قوم نوح نے خدائی طاقتیں پتھر کی مورتیوں اور مٹی کے ڈھیروں میں مان رکھی تھی جو حضرت نوح علیہ السلام نے زیادہ تر حصہ انہی معبودان باطل کی کمزوریوں کے اظہار و اثبات میں صرف فرمایا۔ اور کہا کہ۔

یٰقوم ان کان کبر علیکم مقامی — اے میری قوم۔ اگر میرا تم میں رہنا اور تمکو
و تذکیری بایات اللہ فعلی — نصیحت کرنا گران معلوم ہوتا ہے تو میرا تو
اللہ توکلت فاجمعوا امرکم و — اللہ پر بھروسہ ہے۔ تم اپنا کام پوری قوت
شرکاءکم ثم لا یکن امرکم — سے کرو اور اپنے شرکا کو بھی بلالو۔ اور جو کرنا ہو
علیکم غمۃ ثم اقضوا الی و — دل کھول کے کرو اور میرے حق میں جو کرنا
لا تنظرون۔ — ہو کر گزرو۔ اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔

بہر حال قوموں میں جن روحانی مفاسد اور باطنی امراض کا غلبہ رہا ہے۔ اسی قسم کے خصوصی معالجات کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک نبی نے اپنی قوم کو اسی کی ذہنیت کے مناسب اپنے اعجاز دئے

دلائل بھی دکھلائے ہیں - قبطیان مصر میں سحر و ساحری کا زور تھا جو سانپ
بچھو بنا کر لوگوں پر اپنا رعب قائم کرتے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ
عصا دکھلایا جس نے اژدہا بن کر سارے ہی مصنوعی سانپوں کا خاتمہ کر دیا -
قبل میلاد عیسوی بنی اسرائیل کی "بھیڑ بکریوں" میں طب اور علاج کی اعجوبہ
سازیوں کا زور و شور تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام دم مسیحائی حتیٰ کہ احیاء موتی
لیکر تشریف لائے جو سارے علاجوں کی غایت (صحت) سے بھی آگے کی چیز ہے
قوم ثمود میں کوہ تراشی، پہاڑوں کو تراش کر عمارت بنانے اور گویا پتھروں کو موم
کی طرح توڑ پھوڑ کر رکھ دینے کی استعداد بہت زیادہ تھی تو حضرت صالح علیہ السلام
ناقہ ثمود کو بھی نمایاں کیا تو پتھروں کی چٹانوں سے جو بغیر نر و مادہ کے پتھر
پھوڑ کر ایک دم نمایاں ہو گئی - عرب جاہلیت میں فصاحت و بلاغت کا زور
شور تھا تو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا معجزہ ہی علمی دیا گیا جس نے
سارے عالم کی فصاحت و بلاغت کو مات دیدی اور فصیحوں کو تھکا کر عاجز کر دیا
غرض نبی وقت قوم کی ذہنیت ہی کے مناسب خوارق بھی لاتا ہے اور اسی
کے امراض باطنی کے مناسب اصلاحی پروگرام بھی پیش کرتا ہے -

چونکہ مجددیت نبوت کا اصلی ظل ہے اس لئے اُمت محمدیہ کے مجددین
کو بھی وہی شان دیگئی ہے جو انبیاء سابقین کو عطا ہوئی تھی - اُمت میں قرون
و دہور کے گذرتے رہنے سے جس جس قسم کے فتن ظہور کرتے رہے اُسی قسم کے
اصلاحی طرق لیکر مجددین اُمت بھی مبعوث ہوتے رہے - اگر کسی وقت اُمت
میں دیانت کی کمی ہوئی تو مجدد دیانت آئے جنہوں نے شعائر دیانت برپا کئے

اگر دیانت ہوتے ہوئے نظام ملت کبھی زیادہ پراگندہ ہوگیا تو ایسے ہی مجدد آئے جنہوں نے اپنے حلقۂ اثر کو باہم شیر وشکر کر دیا۔ اگر کبھی نفوس میں اخلاقی کدورت اور زنگ لگ گیا تو ایسے ہی مجدد آئے جنہوں نے اخلاق کا تزکیہ کر کے نفوس کو مجلّی اور مصفّٰے کر دیا۔ اگر اُمت کبھی ریاضت کشوں کے خوارق پر مفتون ہوئی تو ایسے ہی مجدد آئے جنہوں نے اپنے خوارق و کرامات سے ہر شعبدہ باز کے کرشموں کا طلسم توڑ کر رکھ دیا[1]۔ غرض یوں سمجھنا چاہیے کہ انبیاء سابقین میں نبوت کی جس جس رنگ کی نسبتیں تھیں اُتنی ہی اور اسی رنگ میں ولایت کی نسبتیں اُمت کے مجددوں کو عطا فرمائی گئیں تاکہ اُمت کے ہر طبقہ کی اصلاح اسکے مناسب طُرق سے ہو۔

الفِ ثانی کا آغاز اُمت کے حق میں تمام اگلے اور پچھلے فتنوں کا فتح باب تھا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کی خیریت ختم ہو جانے کے متعلق دو مدتوں کی اطلاع دی تھی۔ ایک یہ کہ میری امت کی عمر پانچسو سال ہے یا پانچسو سے کم نہیں ہے دوسرے یہ کہ اُمت کی عمر ہزار سال ہے جیساکہ ذخیرۂ روایات میں دونوں حدیثیں موجود ہیں۔ پانچ صدی گذرنے پر فتنۂ تتار کا ظہور ہوا جس نے

---

[1] پھر نفسانی فتنوں کے ساتھ آفاقی فتنے بھی جس نوع کے آئے مجددین وقت کو اُسی کے استیصال کی زیادہ سے زیادہ صلاحیت و استعداد دیکر بھیجا گیا۔ کسی مجدد نے فتنہ شیعیت کو ختم کیا۔ کسی نے فتنہ باطنیت کو۔ کسی نے ادعارِ نبوت کے فتنوں کا تار پود بکھیرا اور کسی نے عیسائیت کی وسوسہ اندازیوں کا استیصال کیا۔ کسی نے شرک کا تانا بانا اُدھیڑ دیا۔ کسی نے وثنیت کے ستون ڈھائے اور کسی نے ثنویت کو بیخ وبُن سے اُکھاڑ دیا ۱۲۔

حقیقتاً امت کی خیریت ہی نہیں سرے سے امت ہی کو ختم کر دیا۔ اور گویا عالم سے مسلمانوں کا اور ان کی شوکت و قوت کا استیصال ہو چکا تھا۔ مگر حافظ حقیقی نے انجام کار خود تاتاریوں ہی کے قلوب کو اسلام قبول کرنے پر جھکا دیا۔ جنہوں نے خلافت عثمانیہ (ٹرکی) کی بنیاد رکھ کر خود اسلام کی وکالت شروع کر دی اور اس کے معین و مددگار بن گئے۔ اقبال نے خوب کہا تھا ؎

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے — پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

در حقیقت قصر خلافت ہی نہیں بلکہ قصر امت کا ایک نیا سنگ بنیاد تھا۔ پس ظہور پر فتنہ تتار منکشف ہوا۔ جو پانچ صدی گذرنے پر ظاہر ہوا۔ اس لئے پہلی حدیث میں آپ نے امت کی عمر پانچسو سال ارشاد فرمائی چھٹی صدی سے گویا امت کی نئی تعمیر ہوئی اور اس کے علوم و کمالات کے نشر و اشاعت کا ایک جدید اور بہترین دور شروع ہوا۔ عراق و خراسان خصوصاً و عموماً محروسہ ہائے اسلامی میں لاکھوں کی تعداد میں یکتائے روزگار فضلاء فقہاء علماء صوفیا اور اکابر امت اُٹھے اور دین کو از سر نو زندہ کر کے پاکیزہ پاکیزہ لباسوں میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ علوم و کمال کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا۔ اور دشمنان حق کی نگاہوں کو خیرہ کرنے لگا۔ مصر۔ شام۔ خراسان۔ عراق۔ ادھر دوسرے عجمی ممالک اسلامی شوکتوں سے مالا مال تھے۔ کسی غیر کی مجال نہ تھی کہ اسلام کے رعب افزا چہرہ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ کہ یہ پانچ صدی کا دوسرا دور ختم ہوا۔ اور پہلی پانچ صدی کے خاتمہ پر جیسے ہی خاتمہ کی خبر دے کر آیا۔ امت میں انحطاط کا دوسرا دور شروع ہوا۔ ابتداءً دینی اور

معنوی شوکتوں میں فتور آنا شروع ہوا اور انجام کار ظاہری رعب و قوت اور شوکتوں کے اضمحلال کا وقت بھی آ پہونچا۔

الفِ اوّل کے اختتام اور الفِ ثانی کے آغاز ہی سے اسلامی ملّت کے خلاف غیر مسلم اقوام کی منظم ریشہ دوانیاں شروع ہوتی ہیں۔ یوں تو ابتداء ہی سے اِن اقوام کا ایک مستقل موضوع عمل مسلمانوں میں انتشار پیدا کرکے اُن کی قوتوں کو ضعیف کرنا رہا ہے۔ چنانچہ منافقین یہود نے آغاز اسلام ہی سے ایسے مفسدانہ اقدامات شروع کردئے تھے اور انہیں کی ناپاک مساعی سے ملت اسلامیہ میں شیعیت و خارجیت وغیرہ کے فتنوں کی بنیاد پڑی جن کی بدولت لاکھوں مسلمان قتل و غارت کی نذر ہوئے، لاکھوں بے وطن ہوئے، خلافت کی بنیادوں میں تزلزل آیا۔ بعد کی کتنی ہی خلافتیں اور سلطنتیں تہ وبالا ہوگئیں۔ پھر مذہبی رنگ میں کتنے ہی فرقے پیدا ہوگئے جس سے اُمت کی طوفانی ترقی بھی یکدم رک گئی اور اُمت کا زوال بھی ممکن ہوتا گیا۔ لیکن ہزار سالہ کے بعد ان مفسدانہ مساعی نے منظم صورت اختیار کرلی۔ اور عیسائی اقوام نے اسلامی ممالک کو سامنے رکھکر تدریجاً ایک تخریبی پروگرام مرتب کیا جو بالآخر ہندوستان، اسپین، عراق، شام، مصر، دیار تہامہ، ٹرکی وغیرہ کی تخریب میں مؤثر اور کامیاب ثابت ہوا۔

بہرحال ہزار سال کے اس دورہ کے بعد ادہر تو اغیار نے تخریب اُمت کا عزم مصمم کیا اور ادہر خود اُمت میں دینی بے پروائی اور قلّت دیانت نے نفوذ کرنا شروع کردیا۔ بدعات و منکرات نے عزائم دین کی صورت اختیار

اختیار کرلی - اور رسوم شرکیہ اور محدثات شنیعہ نے اندر ہی اندر پرورش پاکر اسلام کے اصلی رنگ و روپ کو متغیر کردیا - اس لئے گیارہویں صدی گویا امت کے لئے اندرونی اور بیرونی مذہبی اور سیاسی فتن و آفات کا ایک پیش خیمہ تھی اور گویا کوئی ظاہری و باطنی مرض ایسا نہ تھا جس کی تخم ریزی اُمت کے قلوب میں نہ ہوچکی ہو۔

اس لئے اس صدی کے مجدد کے متعلق ان صد انواع فتن کو دیکھکر خود ہی یہ رائے قائم کرلینی چاہئے کہ اسکی روحانیت کس قدر بلند پایہ اور اس کا طرز تسلیم و تلقین کس درجہ مؤثر اور ہمہ گیر ہوگا جو ان فتن میں اُمت کے ایمانوں کی نگہبانی کرے اور ان ظاہری و باطنی آفات کے تھپیڑوں میں کشتی اسلام کو کھیتا ہوا کنارہ آ لگائے

وہی الف ثانی کے مجدد حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی ہیں جن کے علوم و معارف نے ابنائے کفر و ضلال میں تہلکہ مچا دیا اور جن کی نور پاش ہدایتوں نے تاریک سینوں کو منور کردیا - حضرت مجدد صاحب کی تعلیمات کو دیکھو اور سب گوشے سامنے نہ آسکیں تو ایک مکتوبات ہی پر نظر ڈال لو کہ علوم ظاہر و باطن کا ایک سمندر ہے جس کی تہ کا کہیں نشان نہیں ملتا - اگر ایک طرف قلب و روح کے مخفی مقامات کا پردہ فاش ہو رہا ہے تو دوسری طرف حقائق شرعیہ اور اسرار فقہیہ منصۂ شہود پر آتے جارہے ہیں اگر ایک طرف کتاب روح کے غیر محسوس اوراق اُلٹ رہے ہیں تو دوسری طرف ہدایہ و توضیح کے علمی مقامات کھل رہے ہیں - اگر رجال غیب سابقہ کھل رہا ہے تو علماء و طلبا کی

محبت کے جذبات بھی انہیں مکتوبات سے ہویدا ہو رہے ہیں۔ جہاں علم کی موجیں اٹھ رہی ہیں۔ وہیں خوارق و کرامات کا سمندر بھی امنڈ رہا ہے غرض ایک ایسے دورہ کے لئے جو ظاہری و باطنی آفات کا محور ہو جیسے جامع کمالات اور عارج عرش بندگی کی ضرورت تھی حق تعالیٰ نے ویسا ہی مجدد بنا کر حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا جن کی بصیرت افروز تعلیمات نے کتنے ہی گمرہان بادیہ ضلالت کو راہ مستقیم پر لگایا اور کتنے ہی تلون پذیر قلوب کو تمکن و استقامت پر جما دیا۔ کتنے ہی وہ علوم و معارف جو بارگاہ نبوت سے چلے تھے لیکن راستہ کی ناہمواریوں نے انہیں راستہ میں روک دیا تھا۔ حضرت مجدد صاحبؒ کی بدولت منصۂ شہود پر آ گئے اور علوم نبوت کے کتنے ہی بند شدہ دروازے از سر نو کھل گئے۔

پھر چونکہ اس زمانہ کا سب سے گہرا اور بنیادی مرض ابتداع اور بدعت پسندی تھا جس نے عمل و اعتقاد دونوں کو کھوکھرا اور بے مغز کر دیا تھا۔[1]

پس حضرت مجدد صاحبؒ کے بے انتہا مناقب میں سے صرف دو جملہ ہی ادائے مناقب کے لئے بس کرتے ہیں ایک یہ کہ وہ مجدد ہیں جس کی حقیقت ظلیت نبوت ہے، دوسرے یہ کہ وہ الف ثانی کے مجدد ہیں جو بنص حدیث شیوع فتن کے لحاظ سے خطرناک صدی تھی۔ اور جس کا طبعی مقتضا یہ تھا

---

[1] اسی لئے حضرت مجدد صاحبؒ کی تعلیمات میں بھی غالب رنگ اتباع سنت اور بدعت سے اظہار نفرت ہے، غرض ظاہر و باطن کی بے راہ روی اور آزادی سے بچا کر اس اتباع کی راہ چلانا حضرت کی تعلیم کا ممتاز شعار تھا۔

کہ اس سرے پر کوئی معمولی مجدّد نہیں بلکہ ایک رئیس المجددین فرد بھیجا جائے جو ایسے عظیم و مہالک و فتن کی مدافعت کر سکے۔ پس میرا یہ مضمون درحقیقت صرف انہیں دو لفظوں "مجدّد" اور "الف ثانی" پر دائر ہے اور میرے خیال میں مجددی مناقب کا بڑے سے بڑا دفتر انہیں دو جملوں کی شرح ہو گا کیونکہ ایک لفظ سے فتن و آفات کی کثرت وقوۃ واضح ہے اور دوسرے سے ان فتن کی زبردست مدافعت نمایاں ہے اور ظاہر ہے کہ خیر کی قوت شر ہی کے فروغ سے کھل سکتی ہے۔ پس جبکہ بنص حدیث اس صدی میں شرور و آفات کی برسات کی خبر دی گئی ہے تو اس سے اس صدی کے مجدد کی روحانی قوتوں علمی برکتوں اور عملی ہمتوں کی لگاتار جھڑیوں کا اندازہ کر لینا چاہیئے۔ جس نے فتنوں کی کیچڑ اور گندگی کو دھو کر اُس کے جسم کو صاف کر دیا تھا اور عرب و عجم میں اپنی برکات کی تروتازگی پھیلا دی تھی۔

اپنے بعض بزرگوں مثل حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے اس موقع پر یہ واقعہ نقل کر دینا بھی دلچسپی اور اظہار حقایق سے خالی نہ ہو گا کہ حضرت مجدّد صاحب قدس سرہ دیوبند سے گذرتے ہوئے جب اس زمین پر پہونچے جہاں آج دارالعلوم کی عمارت کھڑی ہے تو ٹھٹک کر فرمایا کہ مجھے یہاں سے علم کی بو آتی ہے۔ (بعینہٖ یہی مقولہ اپنے بزرگوں سے حضرت سید احمد صاحب رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت بھی سُنا ہے جبکہ انہوں نے جہاد پر جاتے ہوئے دیوبند میں قیام فرمایا تھا۔

اور سب جانتے ہیں کہ یہ دارالعلوم مشرق و مغرب کے مسلمانوں کیلئے

کتاب و سنت اور اُن سے متعلق علوم کی ایک عدیم النظیر درس گاہ ہے جو اس دورِ تجدد میں بھی اسلاف کی ایک امانت کو سنبھالے ہوئے ہے ایں نے اپنے متعدد بزرگوں سے سُنا ہے کہ یہ درس گاہ بحیثیت مجموعی خود ایک مجدد کی شان رکھتی ہے جس کا غالب شعار آج کے دورِ بدعت و الحاد میں اتباعِ سنت کی تلقین اور حقیقی مسالک صحابہ کی ترویج ہے اور وہ بحمداللہ ان تعلیمات کے لحاظ سے ایسی ثابت و راسخ شمع ہے جس کی روشنی مسلسل اور غیر منقطع ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم کا یہ اتباعِ سنت کا شعار جب کہ وہ حضرت مجدد صاحبؒ کی پیشین گوئی کا ظہور ہے۔ درحقیقت حضرت مجدد علیہ الرحمہ ہی کے تجدیدی کارناموں میں سے ایک سنہرا کارنامہ ہے اور انہیں کے قلب روشن کی ہمت کا ایک مظاہرہ ہے جو اس چار دیواری کی صورت میں اتباعِ سنت کا نور پھیلا رہا ہے۔

اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت مجدد صاحبؒ کی تجدید محض وقتی تھی بلکہ اُن کے مجددانہ علوم و کمالات اُن کے وارثین و نیز اُن کی تعلیمات اور اُن کے پیغام کے حامل اس دارالعلوم کے ذریعہ آج تک بھی دینِ متین کی تجدید کررہے ہیں اور جب تک منظورِ الٰہی ہے کرتے رہیں گے۔

وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ